ایمان سخن
یعنی
انتخاب کلام شیر محمد خاں ایمان
مرتبۂ
مولوی سید محمد صاحب ام۔ اے

سلسلۂ انتخابات شعرائے دکن نمبر ۵

ایمانِ سخن

یعنی

انتخاب کلامِ شیر محمد خاں ایمان

مرتبہ

سید محمد ام۔ اے

لکچرار اردو گورنمنٹ سٹی کالج

مطبوعۂ شمس المطابع مشین پریس نظام شاہی روڈ حیدرآباد دکن

۱۹۳۷ء

مدیر عمومی ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ ام-اے پی ایچ ڈی

(اس سلسلے کی دوسری مطبوعہ کتابیں)

(۱)	متاعِ سخن	انتخاب کلام	نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیزؔ
(۲)	بادۂ سخن	"	ڈاکٹر احمد حسین مائلؔ
(۳)	کیفِ سخن	"	سید رضی الدین حسن کیفیؔ
(۴)	سراج سخن	"	شاہ سراج اورنگ آبادی
(۵)	فیض سخن	"	میر شمس الدین محمد فیضؔ

ان مطبوعہ انتخابات کے علاوہ اس سلسلے میں فی الحال حسب ذیل

شعرائے دکن کے کلام پر کام ہو رہا ہے

(۱)	عصرؔ	میر احمد علی
(۲)	تمیزؔ	نواب محمد بدرالدین خان معظم الملک
(۳)	صغیرؔ	محمد حبیب الدین
(۴)	مزاجؔ	حکیم محمد مظفر الدین خان

فہرست

مرتب کی دوسری کتابیں

(۱) اربابِ نثرِ اُردو :۔ فورٹ ولیم کالج کے نثر نویسوں کا محققانہ تذکرہ غعہ/

(۲) گلشنِ گفتار :۔ شعرائے اُردو کا قدیم ترین تذکرہ ۱۲/

(۳) مثنویاتِ میر :۔ میر تقی میر کی تمام مثنویاں ترتیب و تصحیح کے ساتھ .. عہ/

(۴) ابتدائی فارسی :۔ براہِ راست طریقۂ تعلیم کے مطابق فارسی کی صرف و نحو ۱۲/

(۵) یادگارِ ولی :۔ اُردو شاعری کے ابوالآبا ولی اورنگ آبادی کے جشنِ دو صد سالہ کے مقالات مع انتخابِ کلامِ ولی .. .. ثعہ/

(ملنے کے پتے)

(۱) مکتبۂ ابراہیمیہ (۲) غلام دستگیر بک اسٹال عثمانیہ یونیورسٹی

(۳) مکتبۂ علمیہ چارمینار حیدرآباد (۴) مکتبۂ جامعہ دہلی

۱۔ دکن کی اردو شاعری

گذشتہ چار سو سال کے طویل عرصہ میں دکن میں سیکڑوں ایسے اردو شاعر پیدا ہوئے جن کی مسلسل خدمت گذاریوں نے جہاں اپنے ملک کے ذوق ادب کو جاری رکھا اور اہل ذوق کی وقتاً بوقتاً ضیافت کی، زبان اردو کو ہمیشہ کے لئے مالا مال بھی کر دیا۔ ان کے عمل پیہم اور پر خلوص ذوق سخن نے اس زبان کی بنیادیں بے حد مستحکم کر دیں اور اس کے ادبی خزانہ میں ایک ایسا مستقل سرمایہ فراہم کر دیا جو امتداد زمانہ کی بے رحم دستبرد کے بعد بھی اتنا وافر ہے کہ اردو بولنے والوں کی نسلیں ہمیشہ اس سے متمتع ہوتی رہیں گی۔

ان قابل احترام خدمت گذاران اردو میں سے بیسیوں ایسے ہیں جن کے کارنامے آج موجود نہیں ہیں مگر ان کے ہمعصر یا متاخر شاعروں کے کلام میں ان کا ذکر خیر باقی رہ گیا ہے۔ پچاسوں ایسے ہیں جن کے کارنامے موجود ہیں مگر جن کے حالات (اور بعض دفعہ تو مصنف کے نام تک) سے دنیا آج ناواقف ہے، ورنہ معلوم ایسے کتنے ہوں گے جن کے نام و نشان اور کارنامے دونوں اس وقت ناپید ہیں۔

تاہم اس کو اُردو زبان کی خوش قسمتی سمجھنا چاہیے یا ان قدیم اُردو شعرا کی نیک نیتی کہ مغلوں کے حملوں اور دکنی سلطنتوں کی باہمی خانہ جنگیوں اور تباہ کاریوں کے بعد سے قریب قریب ایک صدی تک مدفون رہنے کے باوجود اُردو شعر و شاعری کے یہ قدیم اور بیش بہا گنجینے پھر منظرِ عام پر آرہے ہیں۔ چنانچہ عہدِ حاضر میں اُردو کے بعض قابل ترین خدمت گذاروں نے ان کی تحقیق و تفتیش اور اشاعت میں اپنی گراں بہا زندگیاں وقف کردی ہیں

ان باہمت افراد کی کوششوں سے اس وقت تک چند قدیم اُردو شہ کار یا ان کے حالات و انتخابات وغیرہ منظرِ عام پر آچکے ہیں مگر ابھی سیکڑوں ایسے ہیں جن کی نسبت اکثر و بیشتر سطحی معلومات ہی اردو رسالوں اور کتابوں میں پیش کی گئی ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان میں سے اکثروں کو شائع کیا جائے اور اس طرح نام نیک رفتگاں کو ضائع ہونے سے بچا لیا جائے

ان قدیم جواہر پاروں کی اشاعت سے نہ صرف اُردو ادب کے خزانہ مطبوعات میں خاطر خواہ اضافہ ہوگا اور اس کی تہی مائگی کی شکایت (جو اغیار کے علاوہ اکثر اپنوں سے بھی سنی جاتی ہے) دور ہو جائے گی، بلکہ اُردو بولنے والوں کی موجودہ اور آنے والی نسلیں اپنی زبان اور ادب کے مختلف النوع رجحانات اور صحیح ذوق سے بہرہ مند ہو سکیں گی،

ہمارے نوجوان انشا پردازوں میں احساس خود اعتمادی بڑھتا جائے گا اور وہ اپنی زبان کی قدامت اور فضیلت کے اس ہمت افزا احساس کے ساتھ اس کی خدمت میں سرگرم ہو سکیں گے۔

دکن کی اردو شعر و شاعری کی تاریخ کے کئی مختلف عہد قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ ابتدائی دور مذہبی اور صوفیانہ شعر و شاعری کا ہے جس کے متعلق اب تک چند مضامین شائع ہو چکے ہیں جن میں مولوی عبدالحق صاحب کا مضمون "اردو کی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا حصہ" خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس دور کی شاعری کے بعض چیدہ چیدہ نمونے تو منظر عام پر آ چکے ہیں مگر خاص خاص شعرا مثلاً شاہ علی گام دھنی اور شاہ برہان الدین جانم وغیرہ کے کلام کے مکمل مجموعے اب تک شائع نہ ہو سکے۔

اس ابتدائی دور میں مذہبی رنگ کی شاعری کے علاوہ دوسری قسم کی مثنویاں بھی لکھی گئیں جن میں نظامی کا قدم راؤ پدم اور فخر دین نظامی کی مثنوی نمایاں حیثیت رکھتا ہے مگر ابھی شائع نہیں ہوا ہے۔

اردو شاعری کا دوسرا دور خالص ادبی اور حسن کارانہ مساعی پر مبنی ہے اس عہد میں مقامی اور روزمرہ کی ضرورتوں کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کی اچھی نظمیں لکھی گئیں اور ادبیات فارسی کے بہترین شہ کاروں کا ترجمہ کرنے کا خیال بھی پیدا ہوا۔

اس عہد کے سب سے بڑے شاعر محمد قلی، وجہی، عبدل، احمد، غیرت، محمود، حسن شوقی اور خیالی وغیرہ ہیں۔ ان میں اول الذکر چار اساتذہ سخن کا بہت کچھ کلام موجود ہے مگر افسوس ہے کہ مکمل حالت میں شائع نہ ہو سکا۔ محمد قلی قطب شاہ (۹۸۸ھ تا ۱۰۲۰ھ) چوتھے

فرمانروائے گولکنڈہ اور بانی شہر حیدرآباد کے تعارف کی ضرورت نہیں۔ اس کے حالات اور کلام کے اقتباسات مولوی عبدالجبار خاں صوفی مرحوم نے اپنے قابل قدر تذکرہ "محبوب الزمن" میں آج سے قریب پچیس سال پہلے پیش کئے پھر آٹھ دس سال قبل مولوی عبدالحق صاحب نے "رسالہ اردو" میں اس کے کلیات پر ایک دلچسپ مضمون لکھا اور نمونہ کلام بھی شائع کیا نیز "دکن میں اردو" "اردوئے قدیم" "اردو شہ پارے" اور جواہر سخن وغیرہ کتابوں کے ذریعہ سے بھی اس کا کچھ نہ کچھ کلام منظر عام پر آیا ہے۔ مگر ایک ایسے اعلیٰ پایہ استاد سخن کے مکمل گنجینۂ معانی کا شائع ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ اس میں جملہ اصناف سخن یعنی غزل، قصیدہ، قطعہ، مثنوی، مرثیہ وغیرہ کے وافر اور عمدہ نمونے موجود ہیں۔

عہد محمد قلی کے شعرا میں احمد اور وجہی قابل ذکر ہیں۔ احمد نے فارسی یوسف زلیخا کا ترجمہ کیا جس پر چند ہی سال قبل پروفیسر حافظ محمود شیرانی صاحب نے ایک مضمون شائع کیا ہے۔ وجہی نے ایک اچھی مثنوی "قطب مشتری" (۱۰۱۸ھ) لکھی جس میں خود بادشاہ (محمد قلی قطب شاہ) کے مشہور آفاق معاشقے کی داستان نہایت نفاست کے ساتھ بیان کی ہے۔ یہ نظم اصل میں ابراہیم قطب شاہ کے عہد حکومت اور محمد قلی کے زمانہ ولی عہدی میں شروع کی گئی تھی۔ اس میں تلنگانہ کی مشہور رقاصہ

بن گئی تھی (جس کی خاطر شہر بھاگ نگر بسایا گیا جو بعد میں حیدرآباد کہلایا) سے کے ساتھ شہزادہ ولی عہد سلطنت کی ضرب المثل محبت و فریفتگی کا سچا اور زندہ جاوید مرقع پیش کیا ہے۔ اس وقت تک اس اہم کارنامۂ سخن کے صرف ایک ہی نسخے کا پتہ چلا ہے جو انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود ہے (مگر وہاں کے کیٹلاگ مرتبہ پروفیسر بلوم ہارٹ سے اس کا پتہ نہیں چلتا) راقم نے اس کو اشاعت کے لئے نقل کرنا شروع کیا تھا مگر افسوس ہے کہ پوری کتاب نقل نہ ہونے پائی تھی کہ لندن سے روانگی کا زمانہ آگیا۔

اس سلسلہ میں یہ ذکر شاید نامناسب نہ ہوگا کہ ایسی عجیب و غریب مثنوی کے مصنف وجہی نے اس کے کئی سال بعد نثر میں بھی ایک عجوبۂ روزگار کتاب "سب رس" (۱۰۴۵ھ) لکھی تھی جس کو مولوی عبدالحق صاحب نے کئی نسخوں سے مقابلہ کرنے کے بعد انجمن ترقی اردو سے شائع کیا ہے۔ وجہی کے دیگر کلام میں سے چند غزلیں اور مرثیے بھی دستیاب ہوئے ہیں جو رسائل میں شائع کر دیئے گئے ہیں۔

اسی زمانہ کا ایک اور شاعر عبدل تھا جو بیجاپور کے فرمانروا ابراہیم عادل شاہ ثانی نورس (۹۸۸ھ تا ۱۰۳۷ھ) کی قدردانی سخن کا شہرہ سن کر بیجاپور آیا تھا۔ یہاں اس نے وجہی کی طرح اپنے ولی نعمت سے متعلق ایک مثنوی "ابراہیم نامہ" لکھی جس کا

تذکرہ رسالہ ہندستانی میں چھپ چکا ہے۔

اردو شاعری کا تیسرا دور اُس کا عہد زریں سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں ہر ایک صنف سخن میں اس درجہ ترقی ہوئی ہے کہ اس دور کے بعض شاعروں کو خدایان سخن کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا

غواصیؔ ابن نشاطیؔ، جنیدیؔ، قطبؔ، عبداللہؔ، شاہیؔ، طبعیؔ، غلام علیؔ، رستمیؔ، ملک خوشنودؔ، نصرتیؔ، شاہ امینؔ وغیرہ اس دور کے بیسیوں شاعروں میں سے وہ چند اساتذۂ فن ہیں جن پر اُردو زبان فخر کر سکتی ہے۔

غواصیؔ اصل میں اس سے قبل کے دور کا شاعر اور مشہور ملا وجہی کا حریف سخن ہے مگر اس کو اسی دور میں عروج حاصل ہوا۔ اس کے کلام میں سے صرف مثنویوں اور مرثیوں کے نمونے اس وقت تک دستیاب ہوئے ہیں جن کے اقتباسات شائع بھی ہو چکے ہیں۔ اس کی مثنویاں "سیف الملوک و بدیع الجمال" (۱۰۳۵ھ) اور طوطی نامہ (۱۰۴۹ھ) فارسی کے بہترین اُردو ترجمے ہیں اور اچھی معلوم ہوتے ہیں۔

جنیدیؔ "ماہ پیکر" (۱۰۶۴ھ) کا مصنف ہے۔ اس کے متعلق پروفیسر محفوظ الحق صاحب نے ایک تفصیلی مضمون رسالہ ہندستانی میں شائع کیا ہے جس میں اس کے کلام کے

نمونے بھی درج کئے ہیں۔ ابن نشاطی اصل میں نثر نگار تھا لیکن اس نے محض تجربتاً جو غنی پر مثنوی پھولبن ۱۰۶۶ھ لکھی اس سے اس کی طبیعت کی نفاست اور ذوق کی خوبی کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے اقتباس "اردو شہ پارے" اور "یورپ میں دکنی مخطوطات" وغیرہ میں شائع ہو چکے ہیں مگر یہ ایسی کتاب نہیں ہے کہ اس سے ابھی اردو دنیا کو محروم رکھا جائے۔

قطب (سلطان محمد قطب شاہ متوفی ۱۰۳۵ھ) عبداللہ (سلطان عبداللہ قطب شاہ متوفی ۱۰۸۳ھ) اور شاہی (سلطان علی عادل شاہ ثانی متوفی ۱۰۸۳ھ) تینوں بادشاہ ہیں اور بادشاہ سخن بھی۔ ان کے کلام کے مجموعے موجود ہیں۔ اول الذکر تاجداروں کے کلام کے نمونے "محبوب الزمن" "اردوے قدیم" "اردو شہ پارے"۔ اور "دکن میں اردو" وغیرہ میں مندرج ہیں۔ شاہی کا کلیات حال ہی میں دستیاب ہوا ہے اور اس پر پروفیسر نصیر الدین ہاشمی صاحب نے ایک مضمون رسالہ معارف میں چھپوایا ہے۔ یہ تینوں مجموعے اردو مطبوعات میں قابل قدر اور اہم اضافے ہوں گے اگر یہ چھپ جائیں۔

طبعی اور غلامی گولکنڈہ کے شعرا ہیں اور اپنی شاعری کی خوبیوں اور اعلی خصوصیات کی وجہ سے سلطنت قطب شاہیہ کے آخری ملک الشعرا سمجھے جاسکتے ہیں۔ طبعی نے مثنوی "بہرام وگل اندام" (۱۰۸۱ھ) لکھی وہ ایک اچھا غزل گو بھی تھا اور دبستان وجہی سے متعلق تھا۔

اس نے اپنے کلام میں وجہی کی طرح معنی آفرینی اور نزاکت خیال پر زیادہ زور دیا ہے۔ غلام علی عہد ابوالحسن تانا شاہ (۱۰۸۳ھ تا ۱۰۹۸ھ) کا شاعر ہے۔ اس نے "پدماوت" (۱۰۹۱ھ) کو اردو میں منتقل کیا ہے۔ اس کے خیالات اور طرز ادا ظاہر کرتی ہے کہ وہ قطبی کے خلاف دبستان غواصی سے متعلق تھا۔ متذکرہ دونوں مثنویوں کے اقتباسات مختلف کتابوں میں چھپ چکے ہیں۔

رستمی، ملک خوشنود، نصرتی اور شاہ امین بیجاپور کے آخری بلند پایہ اساتذۂ سخن ہیں۔ اور ان سب کے کلام کے کچھ کچھ نمونے اس وقت تک منظر عام پر آچکے ہیں اول الذکر دونوں عہد محمد عادل شاہ (متوفی ۱۰۶۰ھ) سے متعلق ہیں اور موخر الذکر علی عادل شاہ ثانی (متوفی ۱۰۸۳ھ) اور سکندر عادل شاہ (۱۰۸۳ھ تا ۱۰۹۷ھ) کے عہد سے۔

رستمی زبردست ادیب، قصیدہ گو، اور خطاط تھا۔ مگر اس وقت تک اس کی صرف ایک عظیم الشان اور نہایت ہی ضخیم مثنوی "خاور نامہ" (۱۰۵۹ھ) کا پتہ چلتا ہے جو اردو زبان کی سب سے طویل مثنوی ہے۔ اس کا نہایت مطلا و مذہب اور مصور نسخہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔ یہ کتاب ان جملہ مثنویوں کے مقابلہ میں غالباً اول قرار دی گئی تھی جو بیجاپور کی ملکہ شہر بانو بیگم کی فرمائش پر بیجاپور میں لکھی گئی تھیں۔

ملک خوشنود اصل میں گولکنڈہ ہی کا شاعر تھا مگر شہزادی خدیجہ سلطان شہر بانو بیگم

کے ساتھ جیفرتی بیجاپور دکن گیا تھا جہاں محمد عادل شاہ کے دربار میں اس نے اپنے ذوقِ سخن اور حسنِ سلیقہ کی وجہ سے خاص منزلت حاصل کر لی تھی۔ اس شاعر کی دو مثنویوں "یوسف زلیخا" اور "ہشت بہشت" [illegible] کا پتہ چلتا ہے جو امیر خسرو کی فارسی مثنویوں کے ترجمے ہیں۔

نصرتی شاہی کے دربار کا ملک الشعراء تھا۔ اس کے قصائد اور مثنویاں (گلشنِ عشق ۱۰۶۸ھ اور علی نامہ ۱۰۷۶ھ) اردو زبان کے بہترین جواہر پارے سمجھی جا سکتی ہیں۔ اس کے حالات اور کلام کے نمونے مختلف کتابوں اور رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔

شاہ امین الدین اعلیٰ بیجاپور کے اولیائے کرام سے ہیں۔ اچھے شاعر بھی تھے مگر افسوس ہے کہ ان کا پورا کلام اب تک شائع نہیں ہوا۔

اس دور میں متعدد مرثیہ نگار مثلاً ہاشمی، مرزا وغیرہ بھی گذرے ہیں مگر ان کے مکمل مرثیے اس وقت تک دستیاب نہیں ہو سکے۔

اردو شاعری کا چوتھا دور ایک عبوری زمانہ پر مشتمل ہے۔ اس میں دکن کی سیاسی اہمیت کے ساتھ ساتھ اس کی زبان اور شاعری بھی زوال پذیر ہونے لگتی ہے۔ مگر یہ عہد اس لحاظ سے نہایت اہم ہے کہ اس میں شمالی ہندوستان خاص کر دارالسلطنت دہلی

اردو شعر و شاعری سے روشناس ہوا اور وہاں کے شعرا فارسی گوئی ترک کرکے اردو شعر و سخن کی طرف مائل ہوئے۔

یہ فطرت کی ستم ظریفی ہے کہ اگرچہ اس زمانہ میں بظاہر شمال کی مغل فوجوں نے دکن کو فتح کر لیا تھا مگر جہاں تک زبان و ادبیات کا تعلق ہے اصل میں دکن نے شمال کو فتح کیا۔ اگر اس وقت شہنشاہ اورنگ زیب کے ہاتھوں دکن کی سلطنتیں تباہ و برباد نہ ہو جاتیں اور دکن کے خزائن علمیہ و ادبیہ اور گنجینہ ہائے شعر و سخن مال غنیمت بن کر مغل سپاہیوں کے ساتھ شمال نہ پہنچ جاتے۔ نیز دکنی شعرا اور اہل ذوق شمال میں اور شمال کے دکن میں آنے جانے نہ پاتے اور اس طرح اردو کی علمی و ادبی قابلیت کا اہل شمال کو احساس نہ ہونے پاتا تو نہ معلوم ابھی کتنے عرصہ تک شمالی ہندوستان میں اردو زبان کس مپرسی کی حالت میں پڑی رہتی اور فارسی کا دور دورہ رہتا۔

یہ زمانہ صحیح معنوں میں دورِ اختلاط کہا جا سکتا ہے کیونکہ صدیوں کے اختلاف اور جدائی کے بعد اس عہد میں دکن اور شمال میں ایک گونہ تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ اس وقت دکن کے شاعروں میں جنھوں نے شمال کا سفر کیا ولی، آزاد، فراقی، عزلت اور دردمند وغیرہ اور شمال کے شاعروں میں جو دکن آئے تھے۔ ندیم، زٹلی، نصرت، آرزو وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان شعرا کے باہمی میل جول کے علاوہ جو واقعہ دہلی میں اردو شاعری کے آغاز کا باعث ہوا اور جس کا ذکر ابھی کیا گیا وہ دکن کی اکثر و بیشتر اردو کتابوں کا اورنگ زیب کی فتحمند فوجوں کے ساتھ مال غنیمت بن کر شمالی ہند میں

پہنچ جاتا ہے۔

اردو شاعری کے اس چوتھے دور کے سیکڑوں دکنی شاعروں کا پتہ چلتا ہے مگر ان میں جو زیادہ مشہور ہیں ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ عشرتی، عاجز، ولی اورنگ آبادی ولی ویلوری، فراقی، سراج، عزلت، وجدی، آگاہ، داؤد، صارم وغیرہ اور مرثیہ نگاروں میں: ہاشم علی، ذوقی، روحی، رضی، مرزا، قادر، غلامی، کاظم وغیرہ۔

اول الذکر دو کے کچھ حالات اور کلام کے نمونے شائع ہو چکے ہیں مگر ان کی مثنویاں "دیپک پتنگ" "چت لگن" اور "مکہ مصر" وغیرہ اب تک غیر مطبوعہ ہیں۔ ولی اورنگ آبادی اور ولی ویلوری دونوں کا کلام چھپ چکا ہے اول الذکر کا کلیات سب سے پہلے مشہور فرانسیسی محسن اردو گارساں دتاسی نے پیرس کے شاہنشاہی دار الطبع سے شائع کیا تھا اور چند سال قبل مولوی سید محمد احسن صاحب مارہروی نے کئی نسخوں سے مقابلہ کرکے اس کا اور ایک مجموعہ شائع کیا ہے ولی دکنی کی "روضۃ الشہدا" چھپی تھی مگر اب کمیاب ہے

فراقی، سراج، عزلت اور آگاہ کے کلام کے صرف نمونے چھپے ہیں۔ آگاہ پر "انجمن طلبا قدیم دار العلوم" کے سلسلہ تالیفات اردو میں ایک چھوٹی سی کتاب چھپی تھی بعد میں پروفیسر عبد القادر سروری صاحب اور مولوی نصیر الدین ہاشمی صاحب نے اس پر تفصیلی مضامین شائع کئے۔ شاہ سراج پر مولوی غفور احمد صاحب کام کر رہے ہیں

اس دور کے مرثیہ نگاروں کا مکمل کلام اب تک دستیاب نہیں ہوا۔ ان کے حالات اور کلام کے چند نمونے راقم نے رسالہ اردو میں شائع کئے تھے۔ پھر مولوی نصیر الدین ہاشمی صاحب

نے بھی اس موضوع پر کئی مضمون لکھے۔

اردو شاعری کے اس دور کی نسبت ابھی بہت کچھ معلومات حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

دکن کی اردو شاعری کے پانچویں دور میں، درگاہ، شیدا، شفیق، تجلی، ایمان قیس، چندا، شاداں، ایما، اور احسان وغیرہ قابل ذکر شعرا ہیں اول الذکر دو مرثیہ گو تھے جن پر مولوی میر سعادت علی رضوی صاحب نے تحقیقی کام کیا ہے۔ چنانچہ درگاہ پران کا ایک تفصیلی مضمون "مجلہ عثمانیہ" میں شائع ہو چکا ہے۔ شیدا کی "اعجاز احمدی" بھی ایک دلچسپ مثنوی ہے۔

شفیق کے حالات، نمونہ کلام، اور تذکرہ (چمنستان شعرا) مولوی عبدالحق صاحب نے انجمن ترقی اردو سے شائع کیا ہے۔ شاہ تجلی اس دور کی عجیب وغریب شخصیت ہیں انھیں فنون لطیفہ سے خاص شغف تھا۔ ان کی حیات اور کارناموں پر پروفسر عبدالقادر سروری صاحب نے کام کیا ہے۔ ایمان پر مولوی سید محمد صاحب کام کر رہے ہیں اور ان کے تلامذہ قیس اور چندا پر سید اشفاق حسین صاحب اور سید اختر حسن صاحب علی الترتیب مصروف کار ہیں۔

شاداں (مہاراجہ چندو لال) اردو شعر وسخن کے فیاض سرپرست تھے ان کا دیوان چھپ چکا ہے۔ مگر کچھ کلام ابھی غیر مطبوعہ ہے جس کو معین الدین صاحب زاہر نے

مرتب کر لیا جو ابھی شائع نہیں ہوا۔

اس دور کے اردو شعرا شمالی ہند (خاص کر دہلی) کے شاعروں سے زیادہ متاثر تھے یوں تو اس سے قبل کا دور بھی اہلِ شمال کے میل جول کی وجہ سے بحیثیت دکنی طرزِ سخن کا ترجمان نہیں رہا تھا مگر اس دور کے شاعروں کی زبان دکنی ہی تھی اور ان کے اثر سے شعرائے دہلی نے بھی دکنی زبان ہی میں اشعار لکھنے شروع کئے تھے۔ مگر اس اثنا میں مظہر اور ان کے زیر اثر یقین، سودا، میر درد، تاباں وغیرہ کی مساعی نے شمال سے اس دکنی اثر کو زائل کر دیا اور وہاں کے شعرا دکنی طرز کو چھوڑ کر دہلی کے اردوئے معلی کے محاورے اور زبان لکھنے لگے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دکن کے شاعروں کو بھی اپنے وطن اور اسلاف کی زبان ترک کر کے شعر و سخن کے لئے دہلی کی زبان اختیار کرنی پڑی۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ ایک تو اس عرصہ میں دکن میں میر، سودا، اور یقین جیسے اردو شاعر پیدا نہیں ہوئے اور دوسرے چونکہ عہد قطب شاہیہ و عادل شاہیہ کے بعد سے دکن کے حکام اہل شمال ہی تھے اس لئے دکن میں شمالی ہند ہی کے شاعروں کی قدر و منزلت ہونے لگی چنانچہ اس وقت تک لطف، شہید، نصیر، مشتاق، آفاق، شہرت، منت، کمتر اور صفا وغیرہ جیسے بیسیوں شمال کے شعرا دکن آ چکے تھے۔

ان بیرونی شاعروں کی غیر معمولی قدر و منزلت دیکھنے کے بعد دکن کے شاعروں کو بھی انہی کی پیروی کا خیال پیدا ہوا چنانچہ اس دور کے دکنی شعرا کی زبان بالکل بدل گئی اصنافِ سخن کے لحاظ سے بھی وہ شمالی شعرا کے مقلد ہو گئے جس کی بنا پر طویل نظموں کا

رواج کم ہوگیا اور خاص کر رزمیہ و بزمیہ مثنویاں (جو قدیم دکنی شاعری کی جان ہیں اور جن کی وجہ سے اردو ادب کا خزانہ لازوال سمجھا جاتا ہے) اس دور سے مفقود ہونی شروع ہوئیں۔

دکن کی اردو شاعری کے چھٹے دور میں فیض، خاموش، تمیز، ذکا، یاس، عصر، برق، فیاض اور ناجی وغیرہ اساتذہ فن گذرے ہیں۔ اس زمانہ میں شاعری کی بہ نسبت نثر کو زیادہ فروغ ہوا۔ یہ اصل میں دور تالیف و تراجم تھا کیونکہ اس وقت حیدرآباد میں نواب شمس الامرا اور ان کا خاندان مربی علم و فضل اور قدردان ادب تھا اور اگرچہ خود اس خاندان میں اچھے شاعر پیدا ہوئے مگر ان بزرگوں کو تاریخ و جغرافیہ کے علاوہ زیادہ تر سائنس اور ریاضی وغیرہ سے دلچسپی تھی۔

اس عہد کے شاعروں میں فیض خدائے سخن سمجھے جاتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ ان جیسا بلند مرتبہ شاعر اور کثیر التصانیف ادیب عہد قطب شاہیہ کے بعد سے حیدرآباد میں نہیں پیدا ہوا۔ ان کے تلامذہ کی تعداد سیکڑوں تک پہنچ گئی تھی چنانچہ خود اس موضوع پر ایک مبسوط تذکرہ موجود ہے۔ فیض نے ایک درجن سے زیادہ کتابیں لکھیں جن میں سے بعض ان کی زندگی ہی میں شائع ہو چکی تھیں۔ ان کے حالات اور کلام پر مرزا سرفراز علی صاحب نے "مرقع سخن" میں ایک مضمون لکھا ہے۔

خاموش اور ناجی بھی اچھے شاعر تھے اول الذکر کا کلام چھپ چکا ہے وہ زیادہ تر مذہبی اور صوفیانہ رنگ میں لکھتے ہیں۔ موخر الذکر زیادہ تر نوحے لکھا کرتے تھے۔ تمیز نواب شمس الامرا کے

چھوٹے لڑکے بدر الدین خاں معظم الملک کا تخلص تھا۔ وہ ایک بڑے حسن کار اور اچھے شاعر تھے ذکا اس دور کے وہ حیدر آبادی سخن طراز ہیں جن کی شاعری کی مدحت طرازی میں مرزا اسد اللہ خان غالب کے کئی خطوط رطب اللسان ہیں۔

دکن کے شاعروں کا ساتواں دور مائل۔ لمعہ، توفیق، شائق، معلی، کیفی، الم آصف، عثمان، عزیز، دل، شاد، امجد، صفی، صغیر، اور ذہین وغیرہ صاحبانِ سخن پر مشتمل ہے۔ افسوس ہے کہ ان میں سے اکثر اب موجود نہیں ہیں۔ اس لحاظ سے شاد، عثمان، عزیز، امجد، صفی اور صغیر وغیرہ کی ہستیاں بسا غنیمت ہیں۔ اگرچہ اس دور کے اکثر شعرا کا کچھ نہ کچھ کلام چھپ چکا ہے لیکن بعض کے مجموعے نہایت کمیاب ہیں۔

اس دور کے قریب قریب جملہ شعرا بیرون ملک کے اساتذۂ فن (جو حیدر آباد آئے) مثلاً بیکش، ترکی، داغ، بیدل، امیر، نظم طباطبائی اور جلیل وغیرہ کے تلامذہ ہیں۔ ان کے علاوہ اس عہد میں متعدد شعرا مثلاً شیفتہ، علوی، حبیب، ضامن، جوش، صدق اور فانی وغیرہ بھی شمال سے دکن میں آئے۔

اس دور کی اہم خصوصیت یہی ہے کہ اس میں گذشتہ ادوار سے قدیم معیاری اردو یعنی دکن کی زبان کو ترک کر کے شمالی جدید معیاری اردو پر قابو حاصل کرنے کی جو کوشش کی جارہی تھی اس کو انتہائی مدارج پر پہنچایا گیا۔ زبان کے علاوہ اس عہد کے دکنی شعرا نے اصناف سخن میں بھی شمال کے اساتذۂ فن کے قدم بقدم رہنے میں بڑی کامیابی حاصل کی۔

اس دور کے شعرا میں شائق، توفیق، امجد، صفیر اور شاد کے کلام میں تصوف کی جھلکیں نمایاں ہیں، اور ان میں سے بعض تو اردو کے بہترین عارف اور صوفی شعرا سمجھے جاسکتے ہیں۔ کیفی، ذہین اور آزاد نے عصر حاضر کی خصوصیات اور ضرورتوں کے لحاظ سے اپنی قوت سخن کے اظہار کے لئے نئے میدان پیدا کر لئے ہیں۔

دکن کی مسلسل خدماتِ شعر و سخن پر یہ ایک سطحی اور سرسری تبصرہ ہے۔ اس موقع پر تفصیل کی گنجایش تھی اور نہ ضرورت۔ اس حقیقت حال کا اعتراف لازمی ہے کہ اس سلسلہ میں بیسیوں ایسے شعرا کے نام شریک نہیں ہیں جو اساتذہ فن کے رتبہ تک نہیں پہنچے یا جن کی نسبت ابھی ہماری معلومات محدود ہیں۔ وہ زمانہ آنے والا ہے جب اس قسم کے جملہ شاعر گوشہ گمنامی سے منظر عام پر آئیں گے۔ یہ بھی غنیمت ہے کہ اس وقت نوجوان خاص خاص اساتذہ پر مشغول کار ہیں جن کا ذکر انہی صفحات میں اپنی اپنی جگہ درج ہو چکا ہے یہاں البتہ اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ بعض احباب کی توجہ اور مشورہ سے فی الحال دور آصفیہ کے بارہ شاعروں کے ایسے انتخابات شائع کرنے کا انتظام کیا گیا ہے۔ جو اردو ادب میں اضافہ کا باعث ہوں گے؛ اور جن کے مطالعہ سے اردو کا ذوق رکھنے والے نوجوان اپنے ذوق سخن میں ترقی کر سکیں گے۔

ایمانؔ اور اُن کی شاعری

ایماں اور کچھ نہیں مقدور اگر تجھے
عالم میں یادگار تو اپنے سخن کی چھوڑ

ایماں سرزمین دکن کے ان ممتاز شعرا میں سے ہیں جن کی رنگین نوائیوں اور شیوا بیانیوں نے فرخندہ بنیاد حیدرآباد کی بزم ادب سے نکل کر باہر بھی شہرت حاصل کر لی تھی اور جن کا کلام ہم پیشہ نازک خیالوں کے لئے رشک کا باعث تھا۔

بس کہ ہے ایماں کی شعلہ بیانی روشن
گرمیٔ شعر سے سب اہل ہنر جلتے ہیں

ان کا نام شیر محمد خاں تھا اور ان کے والد محمد فاضل خاں مشہور بہ نائیک ریاست ابد مدت حیدرآباد کے قدیمی باشندے اور وقایع نگاری کی خدمت پر مامور تھے۔ وقایع نگاری کے ساتھ ساتھ وہ اخبار گوئی کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ یہ دونوں خدمتیں اس زمانۂ قدیم میں بہت اہمیت رکھتی تھیں اور ان پر ایسے ہی ثقہ اور معتبر آدمی مامور کئے جاتے تھے جو اعلیٰ علمی لیاقت کے ساتھ ساتھ دیانت ایمانداری، وفاشعاری اور کمال ہوشیاری سے بھی متصف ہوں۔ اگرچہ ایماں کے خاندانی اور ذاتی حالات کا ذکر اردو کے متداولہ تذکروں میں نہیں

ملتا ہے لیکن ان کے زمانے کی تاریخی کتابوں مثلاً تزک آصفیہ مؤلفہ شاہ تجلی
و گلزار آصفیہ مؤلفہ غلام حسین خاں مخاطب بہ خان زماں خاں وغیرہ میں ان
کے جو جستہ جستہ حالات درج ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان ایک اچھے شریف
خاندان کے فرد تھے ۔ وہ حیدرآباد ہی میں پیدا ہوئے ۔ ان کے والد نے
انہیں شہر کے مشہور علما و فضلا سے عربی فارسی کی اعلیٰ تعلیم دلائی تھی ۔ خود ان
کا کلام ان کی علمی قابلیت کی بین دلیل ہے ۔ علوم متداولہ کی تحصیل کے بعد
ہی ایمان نے شعر کہنا شروع کیا ۔ ان کے ایک استاد شاہ تجلی مؤلف تزک
آصفیہ بھی تھے جو اپنے زمانے کے ایک بڑے مؤرخ ، شاعر اور نیک سیرت
عالم تھے ۔ شاہ صاحب کو بھی ایمان کی شاگردی پر فخر تھا اور اپنی تاریخ میں
اس کا ذکر بھی کیا ہے ۔

ایمان اپنے والد کے انتقال کے بعد ان کی خدمت وقائع نگاری اور
اخبار گوئی پر مامور ہو گئے اور اپنی اعلیٰ قابلیت اور کارکردگی سے بہت تھوڑی
مدت میں ترقی کر لی اور تمام اخبار گویوں کے افسر اعلیٰ بنا دئے گئے ۔ بقول
صاحب گلزار آصفیہ ایمان علم و فضل کے لحاظ سے ایک فرد فرید تھے ۔ انھیں
دکن کی تاریخ زبانی یاد تھی ۔ ریاست حیدرآباد کے چپے چپے سے وہ آگاہ تھے
اور مختلف مہمات تاریخی کو بڑی شرح و بسط اور صحت کے ساتھ بیان کرتے تھے
علم و فضل کے ساتھ ساتھ ان کی طبیعت میں بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی کا بھی خاص

مادہ تھا جو سونے پر سہاگے کا کام دیتا تھا اور انھیں اپنے زمانے میں سماج کا ایک مقبول رکن بنا دیتا تھا۔

قدیم زمانے کے بادشاہ اور امرا اہل علم اور صاحب کمال لوگوں اور شاعروں کے جیسے قدر دان ہوتے تھے وہ ایک ناقابل فراموش تاریخی حقیقت ہے ان کے درباروں اور صحبتوں میں ہمیشہ ذی علم اور باکمال افراد دور دور سے بلا کر بڑی خاطر اور تواضع سے رکھے جاتے تھے۔ ایمان کے فضائل علمی، شعر گوئی اور بذلہ سنجی نے انھیں امرا کے درباروں سے الگ رہنے نہ دیا۔ چنانچہ اعظم الامرا ارسطو جاہ° جو ریاست حیدرآباد کے ایک بڑے امیر اور ۱۲۰۹ھ سے ۱۲۱۹ھ تک وزیر اعظم رہ چکے تھے، ان کے مربی خاص تھے۔ اکثر سفر و حضر میں انھیں اپنے ہمراہ رکھتے اور ان کی شعر خوانی اور بذلہ سنجیوں سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ اعظم الامرا کی تعریف میں جو بلیغ قصائد ایمان نے کہے ہیں ان سے اس امر پر بخوبی روشنی پڑتی ہے کہ ایمان کو ان کے دربار سے کس قدر گہرا تعلق تھا۔ جب اعظم الامرا کی دختر بلند اختر جہاں پرور بیگم کی شادی نواب میر اکبر علی خاں سکندر جاہ ولی عہد سلطنت آصفیہ سے ہوئی تو اس موقع پر ایمان نے ایک معرکۃ الآرا قصیدہ کہہ کر گزرانا تھا۔ اعظم الامرا کے علاوہ ایمان نے ایک اور امیر دکن سردار الملک کی بھی مدح میں ایک قصیدہ کہا ہے۔ یہ نواب شمس الامرا تیغ جنگ کے نسبتی بھائی، ہفت ہزاری منصب دار اور حضور پر نور نواب میر نظام علی خاں بہادر کے عہد میں جمعدار [illegible] تھے

نواب میر نظام علی خاں بہادر کی مدح میں بھی ایمان نے بڑے پُر عظمت قصیدے کہے ہیں اور ان میں خوب زورِ طبع دکھایا ہے اس سے پیشگاہ عالی میں ان کی عقیدت اور رسائی کا ثبوت ملتا ہے۔

ایمان جیسا کہ اوپر بھی اشارہ کیا گیا ہے اپنے زمانے میں گل سرسبد شعرائے دکن مانے جاتے تھے۔ ان کی شاعری اور استادی اس قدر مسلم تھی کہ جب تک ایمان نہیں آتے مشاعروں میں غزل خوانی شروع نہیں ہوتی تھی[۱]۔ گلزار آصفیہ کے مؤلف لکھتے ہیں کہ ۱۲۱۶ھ اور ۱۲۱۷ھ میں شہرت اور آفاق تخلص دو شاعر جو شمالی ہند کے باشندے تھے اپنے مکان واقع کمان املی بیگ میں مشاعرے کیا کرتے تھے۔ ان کے مشاعروں میں مقامی شعرا کے علاوہ شمالی ہند کے وہ تمام نامور شعرا بھی شریک ہوتے تھے جو کسی نہ کسی وجہ سے حیدرآباد میں مقیم تھے۔ ان مشاعروں میں ہمیشہ ایمان کا انتظار کیا جاتا تھا اور جب تک وہ نہیں آجاتے تھے غزلیں نہیں پڑھی جاتی تھیں۔

شعروشاعری میں ایمان کے شاگردوں کی فہرست خاصی طویل ہوگی لیکن ان کے ممتاز شاگرد جنھوں نے اپنے کمالِ فن سے استاد کا نام روشن کیا وہ قیس، حفیظ اور چندا ہیں۔ یہ تینوں صاحبِ دیوان ہیں قیس ایمان کے بھانجے بھی تھے اور موروثی خدمت وقائع نگاری و اخبار گوئی کے علاوہ

---

[۱] گلزار آصفیہ صفحہ ۲۴۳

مہاراجہ چندو لال شاداں پیشکار و وزیر اعظم کے درباری شاعر تھے۔ حفیظ بھی انھیں کے درباری شاعر تھے۔ چنداماہ لقا بائی اپنی گوناگوں خوبیوں سخن سنجی، داد و دہش، مہمان نوازی وغیرہ کی وجہ سے کافی شہرت رکھتی تھی۔ اس کا کلام بہت مشہور ہوا۔

ایمان نے سنہ ۱۲۲۱ھ میں اس دار فانی سے رحلت کی۔ کسی تذکرے یا تاریخ میں ان کی تاریخ ولادت نہیں ملتی جس کی وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی عمر کیا تھی۔

ایمان کا کلیات جو جملہ اصناف سخن پر مشتمل ہے ہنوز قلمی صورت میں ہے۔ اس کا ایک عمدہ اور صاف خط نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں ہے اور ایک نسخہ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانے میں۔ انجمن[1] ترقی اردو کے کتب خانے میں بھی ایک نسخہ ہے مگر یہ بہت بوسیدہ اور کرم خوردہ ہے۔ جو انتخاب کلام اس وقت پیش کیا جا رہا ہے وہ انہی نسخوں کے باہمی مقابلے سے مرتب کیا گیا ہے۔

کلیات کے علاوہ دو اور رسالے ایمان کی تصنیف سے ہیں۔ ایک گلدستۂ گفتار جس کا موضوع ضلع جگت اور صنایع بدایع ہے اور دوسرا سروارنامہ جو شطرنج کے متعلق ہے۔ اردو کے علاوہ ایمان نے فارسی میں بھی شعر کہے ہیں لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ فارسی میں ان کا کوئی دیوان ہے یا نہیں

[1] انجمن کا نسخہ جناب سکریٹری صاحب نے ہمارے استفادہ کے لئے عنایت فرمایا تھا اس کے لئے ہم ان کے

ایمان کو تاریخ گوئی میں بھی بڑی مہارت تھی۔ انھوں نے بعض بڑے عمدہ قطعات تاریخی کہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نواب میر نظام علی خاں مرحوم کی وفات پر جو قطعہ ایمان نے کہا وہ اس قدر مقبول اور پسندیدہ ہوا کہ آپ کے مزار پر اسی کو کندہ کرایا گیا ہے۔

بر روح پاک میر نظام علی مدام / زیں مصرعہ عجیب دو تاریخ در بخواں
خوانند با وضو ہمہ اشخاص فاتحہ / مستوجب بہشت و باخلاص فاتحہ

ایمان بڑے قادر الکلام شاعر تھے۔ انھوں نے ہر صنف سخن میں اپنی طبیعت کے جوہر دکھائے ہیں۔ علاوہ غزلیات کے ان کے کلیات میں دس قصیدے، نو دس مثنویاں، متعدد رباعیاں اور چند مثلث اور مخمس وغیرہ جملہ اصناف کا کلام موجود ہے۔ قصائد میں انھوں نے زیادہ تر بہاریہ تشبیب میں اپنا کمال دکھایا ہے۔ اور پھر اپنے ممدوحوں کی مدح نئے نئے پہلوؤں سے کی ہے۔ ان کے بعض قصائد مشکل زمینوں میں بھی ہیں لیکن کہیں ان کی طبیعت کا زور کم ہوتا نظر نہیں آتا۔ ان کے یہاں ہجویات کا حصہ نہیں۔ انھوں نے قصائد میں ہی نہیں بلکہ کسی اور صنف میں بھی کسی کی مذمت اور ہجو سے اپنی زبان آلودہ نہیں کی قصائد ایمان کی قدرت بیان اور زور طبع کا بہت عمدہ نمونہ ہیں۔ الفاظ کی در و بست اور بندش کی چستی کے ساتھ محاکات، روانی اور سلاست ان کی خصوصیات ہیں۔

مثنویات میں خسرو شیریں اور لیلیٰ مجنوں دونوں حکایہ نظمیں ہیں۔ اگرچہ
ان کا موضوع بہت ہی پامال اور روندا ہوا ہے لیکن ایمان نے اپنے طرز
بیان سے ایک طرح کی جدت اور لطف پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ پنتیا
نامہ، فراق نامہ اور بے تاب نامہ تینوں عشقیہ جذبات سے معمور ہیں اور عاشق
حرماں نصیب کے اشتیاق و بے تابی کی قلبی تصویریں ہیں۔ ان مثنویوں
میں سادگی بیان اور پاکیزگی زبان کے ساتھ داخلی شاعری کا عنصر
غالب ہے۔ عاشق کی قلبی کیفیات اور لطیف احساسات کو بڑی خوبی سے
دکھایا ہے۔ ان کی سب سے اچھی اور دلکش مثنوی "برق تاب" ہے جس کا موضوع
بارش کا موسم ہے۔ ایمان نے اس مثنوی میں اپنے کمال فن کے جوہر
خوب دکھائے ہیں۔ اس میں منظر نگاری کی بہت اچھی مثالیں ملتی ہیں۔

ایمان کی رباعیات خاص طور پر قابل لحاظ ہیں۔ چار مصرعوں میں
خوش اسلوبی کے ساتھ کسی مضمون کو اس طرح نظم کر دینا کہ بے ساختہ پن
ہاتھ سے نہ جانے پائے اور کوئی مصرعہ بھرتی کا نہ ہو مشکل کام ہے۔ اگرچہ
اردو شاعروں میں سے اکثر نے رباعیاں کہی ہیں لیکن بہت کم لوگوں کی رباعیاں اس معیار
پر پوری اترتی ہیں۔ اگرچہ ایمان کے یہاں رباعیاں بہت زیادہ نہیں نہ وہ صرف رباعی گو
شاعر تھے لیکن اس کے باوجود وہ اس صنف سخن میں ایک خاص امتیازی رنگ رکھتے ہیں

ایمان کے ہاں تضمینیں بھی خوب ہیں۔ انھوں نے زیادہ تر سودا اور

قائم وغیرہ کی غزلوں پر مصرعے لگا کر مخمس بنانے میں۔ گرہ لگانے میں ان کو بڑی مہارت تھی۔ اکثر مصرعے بہت ہی اچھے بہم پہنچائے ہیں جو اپنی جگہ چسپاں نظر آتے ہیں۔

غزلیات میں ان کے ہاں عاشقانہ جذبات و کیفیات کی ترجمانی کے ساتھ کہیں کہیں پند و موعظت اور صوفیانہ خیالات کے اشعار بھی ملتے ہیں ان کے کلام کی بڑی خصوصیت جیسا کہ اوپر بھی بیان کیا گیا ہے صفائی اور سادگی ہے۔ انھیں زبان پر حاکمانہ عبور حاصل تھا۔ ان کے کلام میں رکاکت اور تعقیدات لفظی نظر نہیں آتے۔ ان کے کلام کی نسبت بہت مشکل سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ کسی دہلوی شاعر کا کلام نہیں بلکہ ایک دکنی شاعر کا کلام ہے۔ ایمان کے زمانے میں شمالی ہند اور دکن کی تحریری زبان میں بہت بڑی حد تک یکسانیت پیدا ہو گئی تھی۔ دہلی کی مرکزیت ختم ہونے کے بعد جب وہاں کے شعرا مختلف مقامات میں پھیل گئے اور زبان کا دائرہ وسیع ہونے لگا تو دہلی کی زبان کو عام طور پر مقبولیت حاصل ہوئی۔

ایمان عموماً دلکش اور سلیس زمینیں اختیار کرتے ہیں کہیں کہیں مشکل اور بہت مشکل زمینوں میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ لیکن یہ بات قابل لحاظ ہے کہ روانیٔ بیان اور بے تکلفی ادا میں فرق پیدا نہیں ہوا۔ تشبیہ و استعارہ کو ادبیات اور بالخصوص شاعری کا زیور بلکہ اس کی جان کہنا چاہیے۔ ایمان نے

تشبیہات کے استعمال میں بڑی جدت طرازی اور خوش سلیقگی سے کام لیا ہے۔
ان کے ہاں بعض تشبیہیں ایسی بے ساختہ اور اچھوتی ہیں کہ تعریف نہیں
ہو سکتی۔ علاوہ ازیں کبھی وہ عام شعرا کی روش سے ہٹ کر بعض ملکی اور
مقامی تشبیہیں بھی استعمال کرتے ہیں جس سے ان کے ایک اعلیٰ اور فطری
شاعر ہونے کا پتہ چلتا ہے غزلیات میں وہ دور از کار اور پیچ در پیچ تشبیہوں
کے استعمال سے پرہیز کرتے ہیں اور ان کی اکثر تشبیہیں شگفتہ، نیچرل اور اصلیت
سے قریب ہوتی ہیں جس سے پڑھنے والے کا ذہن شاعر کے منشا کو بہت جلد
پہنچ جاتا ہے۔

تخلص کا نباہ جو متاخر شعرا میں مومن کا ایک امتیاز خاص
تھا، ایمان کے ہاں بھی پایا جاتا ہے۔ وہ اکثر اپنے تخلص کو اس طرح
بے تکلفی سے لے آتے ہیں کہ مقطع میں جان سی پڑ جاتی ہے۔

ایمان کا یہ زمانہ شعر و شاعری کی گرم بازاری اور شعرا کی
قدر دانیوں کا زمانہ تھا۔ نواب میر نظام علی خاں بہادر کی شاہانہ
سرپرستیوں اور غیر معمولی داد و دہش کے علاوہ اس عہد کے امرا کی
شعر نوازی کی بھی مثالیں مابعد زمانے میں کہیں نظر نہیں آتیں۔
اعظم الامرا ارسطو جاہ اور ان کے جانشین نواب میر عالم بہادر، مہاراجہ
چندو لال شاداں اور دیگر امیروں نے علی قدر مراتب شاعروں کی

قدر دانی میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ بعض اُمرا جیسے مہاراجہ چندو لال خود بھی بڑے شاعر تھے۔ وہ فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ان کے دربار میں ہر وقت شاعروں کا جمگھٹا رہتا تھا اور خاص خاص مشاعروں کے علاوہ جن میں طرحی غزلیں پڑھی جاتی تھیں مختلف تقریبوں اور عیدوں وغیرہ کے موقع پر بلیغ قصیدے بھی پیش کئے جاتے تھے۔ ان قدر دانیوں سے حیدرآباد میں اچھے اچھے شاعر ہی نہیں پیدا ہوئے بلکہ گھر گھر شعر و شاعری کے چرچے ہونے لگے۔ بیرون حیدرآباد کے بیسیوں شعرا حیدرآباد کی طرف متوجہ ہوئے چنانچہ میر قمر الدین خان منت (۱۲۰۸) خواجہ احسن اللہ خاں بیان (۱۲۱۳) مرزا علی لطف مؤلف تذکرہ گلشن ہند (۱۲۳۰) حافظ تاج الدین مشتاق، اور میر دولت علی دولت شمالی ہند سے اسی دور میں حیدرآباد آئے اور یہاں کی سرپرستیوں سے نہال ہوئے۔ مرزا علی لطف کو سرکار سے چار سو روپیہ ماہوار کے علاوہ ایک پالکی بھی عطا کی گئی اور نواب ارسطو جاہ نے اپنے ہاں سے ڈیڑھ سو روپیہ تنخواہ مقرر کر دی تھی۔

حیدرآباد کے شاعروں میں ایمان اور ان کے مشہور شاگرد قلیس حفیظ اور چندا کے علاوہ میر علی مردان خاں یکدل (۱۲۰۶) محمد علی نیاز (۱۲۱۰) نیاز محمد خاں نیاز (۱۲۱۱)، میر محمد ہاشم فقیر (۱۲۱۲) مرزا محمد جان نثار

(۱۲۱۴)، میر نجف علی خاں قدرت (۱۲۱۲) اور مرزا داؤد ہنر اس دور کے شعرا میں بہت مشہور تھے۔

دکن کی اردو شاعری میں یہ دور اس وجہ سے بھی خاص طور پر ممتاز ہے کہ کم و بیش اسی زمانے یہاں کے شاعروں نے دہلی کی زبان کو عام طور پر اختیار کر لیا اور قدیم دکنی الفاظ و محاورات ترک کر دیئے۔ اس سے ماقبل زمانے میں نہ صرف یہیں بلکہ دہلی اور دوسرے شہروں میں جہاں شاعری کے چرچے تھے قدیم دکنی زبان ہی اردو شاعری کی زبان تھی۔ قدیم شعرائے دکن اور خصوصاً ولی کے کلام کی مقبولیت نے اسی زبان کو معیاری زبان بنا دیا تھا۔ اور دہلی کے دور اول کے شعرا بھی الفاظ و محاورات کو استعمال کرتے تھے جو ولی کے کلام میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے ہاں ہندی کے الفاظ اور تراکیب بھی خاصی تعداد میں ملتی ہیں لیکن بعد کو مرزا مظہر جان جاناں کی یہ تحریک کہ قدیم زبان دکنی محاورے اور ہندی الفاظ کی بجائے شاہجہاں آباد کی اردوئے معلیٰ کو شاعری کی زبان بنایا جائے بہت مقبول ہوئی اور حیدرآباد میں ایمان اور اُن کے معاصرین نے

ت کی اتباع کی اور یہی زبان آگے چل کر اور مقامی قیود
سے آزاد ہو کر سارے ہندوستان کی معیاری زبان بن گئی۔

انتخاب کلام

قصائد

فہرست قصائد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قصیدہ در نعت سرور کائنات جناب رسول اکرم صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہر چند غرق ہم رہے جوں گوہر آب میں — لیکن کبھو کیا نہیں دامن تر آب میں

ساقی نہیں ہے یہ گلِ نیلوفر آب میں — رکھا ہے میکشی کے لیے ساغر آب میں

حیراں ہوں میں حباب کے ہر دم شعور پر — خانہ خراب باندھے ہے اپنا گھر آب میں

سیراب یہ نہ جانیے لالہ کا ہر ورق — تر عاشقوں کے خوں سے ہے محضر آب میں

سینہ کی یہ صفا ہے کہ آتا ہے دل نظر — جیسے نظر پڑے ہے کہیں کنکر آب میں

ہر موج میں ہے جلوہ نسیم بہار کا — کرتا ہے جب شناوہ چمن پیکر آب میں

ظالم مرا ہے نالۂ افسردہ اس طرح — شمشیر جیوں بجھاوے ہے آہنگر آب میں

ہر اک زبانِ موج سے تھا شور جوشِ عشق — منصور کی جو ڈال دی خاکستر آب میں

ہے سیلِ اشک دیدۂ عشاق کو مفید — تازہ رہے ہے جیسے گلِ عنبر آب میں

پرواز مرغ اوج ہوا پر فقط نہیں — ماہی کو بھی خدا نے دیے ہیں پر آب میں

کشتی وہیں پہنچتی ہے چاہے جہاں خدا — گر ناخدا ہزار رکھے لنگر آب میں

یوں جلوہ گر ہے آئینہ میں عکس خال یار — جیسے ہو خوشنما گلِ نیلوفر آب میں

زائل کسو طرح نہ ہو قسمت سے تیرگی — زنگی ہزار دھووے اگر پیکر آب میں

پہنچا تری کی راہ سے آتش میں بے گماں — فرعون کا جو غرق ہوا لشکر آب میں

گویا زبانِ حال سے یہ سطرِ موج ہے — کب معنیٔ ثبات ہے نقش بر آب میں
ایمان کیجے اپنے شہنشاہ کی شان — لرزے ہے جس سے عکسِ شہ خاور آب میں
ہیبت سے جس کے عدل کی اب جس کے زیر و بر — رہتی ہے موج شام و سحر مضطر آب میں
یہ امن ہے کہ شیشۂ نازک حباب کا — چھوٹے نہ گر ہزار چلے صرصر آب میں
جس کے قدم شہود میں آتے ہی غیب سے — کسریٰ کا قصر بیٹھ گیا یکسر آب میں
یعنی رسولِ خاتم و محبوبِ ذوالجلال — ترسب طفیل کا جس نے کیا دفتر آب میں
واللیل جس کی زلف کی ہو شان میں نزول — ڈوبا اسی کی شرم سے جا عنبر آب میں
جاری ہو ایک نہر ہر انگشت سے وہیں — رکھے وہ اپنا پنجۂ معجز گر آب میں
شہرہ ہے اس کے آبِ دہن سے یہ چاہِ شور — گویا کہ گھول دی ہے ابھی شکر آب میں
بیشک اسی کے چشمۂ نوشیں کی شرم سے — ڈوبا ازل کے روز سے ہے کوثر آب میں
برسا یہ اس کا ابرِ کرم ہے کہ آج تک — آبِ گہر صدف کا بھرے ساغر آب میں
جس کا یہ عدل ہے کہ ہر ایک غوکِ ناتواں — عہدے ستی نہنگ کے لڑے برآب میں
دریا ہو اس کے قہر کا ٹک موج زن کبھو — گل جائیں غرق ہو بحر و بر آب میں
ہوتا ہے آبِ تیغ رواں اس کا جس جگہ — مثلِ حباب بہتے ہیں لاکھوں سر آب میں
بخشا جواہر اس کے زبس دستِ فیض نے — نے لعل کان میں ہے نہ گوہر آب میں
دستِ حفاظت اس کا ہو سایہ فگن اگر — یاقوت کی طرح سے رہے اخگر آب میں
یا شافعِ امم یہ تمنا ہے بعد مرگ — رحمت کے غرق کیجو مجھے یکسر آب میں

در منقبت مظہر العجائب والغرائب حضرت مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ

ساقی پلا شراب کہ ہے موسم بہار
دل چاہتا ہے کیجیے گلگشت لالہ زار

چاروں طرف سے ابر امنڈ آئے ہیں سیاہ
بجلی بھی تیسے چمکے ہے جیوں تیغ آبدار

کوئل کا کوکنا ہے نپٹ ہی نشاط خیز
بن بن کے ناچتے ہیں گے طاؤس تاجدار

ہر گرد باد سبز ہے جیوں سرو بوستاں
ازبسکہ کوہ و دشت میں ہے ابر فیض بار

اس سال یاں تلک ہے ہوا دلکشا کہ سبز
پتھر کو پھوڑ نکلے ہے باہر ہر اک شرار

صحرا کے جب پہاڑوں پہ کرتا ہوں میں نگاہ
کئی کئی طرح کا وہم گزرتا ہے بار بار

زنگار رنگ خیمے ہیں استادہ بے ستون
یا عکس آسماں کا ہوا ہے یہ آشکار

یا ابر ہیں زمیں پہ اتر آئے سیر کو
یا سبز ہو رہے ہیں سراپا یہ کوہسار

گلشن میں اس جہان کے توام ہیں عیش و طیش
گر حوض میں [illegible] ہے تو بہتا ہے آبشار

سنبل بستاں کی لہروں سے ظلمات ہی نمود
جاری ہے آب حیواں سے ہر ایک جوئبار

رقصاں نہیں گلاب کا فوارہ باغ میں
الماس کے درخت نے موتی کا لایا بار

ہے آسمان پار یہ منڈوا ہے تاک کا
یا کہکشاں کے پل میں ہیں یہ [illegible]

غنچہ بھی اب شگفتہ دلی کی ہے فکر میں
گل بھی کرے ہے قہقہہ چاروں طرف ہزار

نرگس بھی آنکھ کھول کے گلشن میں چوطرف
خالی ہے جائے دیدہ یہ کہتی ہے بار بار

چمپا، چنبیلی، سیوتی، شبو، گلاب کی
مہکار اس قدر ہے ہر اک جائے بے شمار

آتا ہے جو کہ سیر کو کہتا ہے ہر گھڑی　　گلشن ہے یا کہ یہ ہی ختن یا ہے یہ تتار
شبنم سے کے آب پاک سے بلبل بھی کر وضو　　پڑھتی تھی ہر سحر کو یہی شعر آبدار
بیٹھا ہے تختِ جشن پہ گل ہو کے تاجدار　　قمری ہر اک نقیب ہے اور سرو چوبدار
چھپتے ہیں ماہ و مہر تو نت ابر میں نہاں　　ظاہر ہے تب بھی باغ میں کیا لیل کیا نہار
گل چاندنی سے رات کو ہے سیر چاندنی　　سورج مکھی سے دن کے تئیں دھوپ آشکار
ایمان کیا بہار ہے گلشن میں اب کے سال　　سوسن بھی اب زبان سے کہتی ہے یہ پکار
دولت چمن کی اور زیادہ ہو دمبدم　　یارب تو اس سے دور ہی رکھ جور روزگار
پوچھا میں باغباں سے بتا تو سہی مجھے　　کس کے ہے فیض علم سے یہ رنگ نو بہار
کہنے لگا کہ کیا تجھے معلوم ہی نہیں　　حق نے عطا کیا ہے جسے تیغ ذوالفقار
یہ سنتے ہی درود و تحیات بھیج کر　　میں نے کہا جناب معلیٰ میں یہ پکار
عاجز ہوں روسیاہ ہوں مشکل کشائے من　　مطلع یہ صدق دل ستی پڑھتا ہوں لاکھ بار

مطلع ثانی

بے شبہ جانتا ہوں کہ اے صاحب اقتدار　　ساری خدائی میں تجھے ہے تیرا ہی اختیار
اک عمر سے غریق ہوں نیل گناہ میں　　کشتی پھنسی ہے آن کے دریا میں مانجھدار
تیرے سوائے کوئی نہیں دادرس مجھے　　اے ناخدائے نوح بیتم اب لگا دے پار
دونوں جہاں میں آبرو رکھے غلام کی　　اتنی ہی التجا ہے بہ حسنین و ہشت و چار

بندہ ہوں، کمترین ہوں، تیرا غلام ہوں
یا مرتضیٰ علی ولی، شمشیر کردگار

تیری سخا و جود کا میں کیا بیاں کروں
دستِ کرم کے آگے ہے نیساں بھی شرمسار

جیوں داغ و لالہ آتش و باروت ایک جا
تیرے کیا ہے عدل نے اے شاہ شہسوار

تیرے غضب کی دھاک سے ہو جاوے دل کے بیچ
ماہی سے لے کے عرش تلک رعشہ ایکبار

روزِ نبرد جب تری شمشیر ہو علم
فوجِ عدو پناہ نہ پاوے بجز فرار

گاہے اگر مزاج میں ہو شوقِ امتحاں
الماس کے پہاڑ کو کافی ہو ایک وار

دُلدل کے تیرے جلدی کی تعریف کیا کروں
اُچکے ذرا ہی باگ اگر ہو کے تو سوار

پہنچا پلک کے مارتے پیکِ نظر کی طرح
لے کر زمیں سے تا بہ فلک ہے یہ آشکار

تو ہی تو مدح ہے لیزم و گواہ ہے آسماں
تعلیم تیری دیکھ کے حیراں ہے روزگار

مقدور کب ہے جن و بشر کی زبان کو
جو تیری منقبت میں کرے کچھ گہر نثار

فردوس تیرے دوست کا مسکن مدام ہو
دوزخ میں دشمنوں کا ہے تیرے ہمیشہ کار

جلوسِ آصفی

قصیدہ در مدح خسرو ششم صوبہ دکن یعنی میر نظام علیخان بہادر

شکر للہ اب سعادت سے ہے دورِ آسماں
راحت و آرام سے معمور ہے سارا جہاں

دم کرے ہے چو طرف بادِ صبا افسونِ عیش
ہر سحر اقبال لاوے رونما آئینہ ساں

کھولتی ہے شام بھی اب زلف لیلائے مراد
جس کی بوئے روح پرور سے معطر مغزِ جاں

سبعہ سیارہ ہیں فرخندگی کی چال پر
ایک میں باقی نحوست کا نہیں ذرہ نشاں

کشتِ امیدِ خلایق سبز کرتا ہے زحل
مشتری بھی اب ہوا ہے قاضیِ امن و اماں

پیشۂ جلادی اپنا کر دیا بہرام ترک
پنجۂ خورشید ہے یک دست جگ پر زرفشاں

نغمہ آرائے نشاطِ عیش ہے ناہید بھی
اور عطارد ہے دبیرِ نامۂ عشرت نشاں

طے کرے ہے اب منازل یہ سعادت کے تمام
روز و شب درجہ بدرجہ ہر دقیقہ ہر زماں

منقلب تھا راہ اپنی چھوڑ کر راس و ذنب
راہ پر آئے سعادت کی بسانِ راستاں

آبیارِ گلشنِ راحت ہوئے آبی بروج
اور خاکی بانیِ دولت سرائے جاوداں

شمع افروزی بزمِ عیش کے ہیں آتشی
اور بادی بھی ہوا دارِ مزاجِ انس و جاں

شرق سے تا غرب خطِ استوار کا حکم ہے
بس کہ ہے تابندہ یکساں آفتاب اندر جہاں

ایک ہیئت پر ہے سایہ کیا بعید و کیا قریب
فرقِ اصطرلاب سے ہوئے نہ اب ذرہ عیاں

منبسط بے کیف و کم ہیں سب مرکب تا بسیط
یاں تلک ہے مستوی نبضِ زمانہ اب و داں

شیشۂ گردوں میں ہر دم زنگ تھا کچھ موجزن
ہو گئے عالم سے اب آثارِ ردیہ نہاں

چار عنصر کو بہم پہنچا مزاجِ اعتدال
ہیں موالیدِ ثلاثہ بھی سراپا شادماں

اس قدر پایا ہے تنقیہ دماغِ روزگار
جز رطوبت کے یبوست کا نہیں ہرگز نشاں

صبح کی مانند احیا اب ہوئے عظمِ رمیم
کام عالم میں ہے اعجازِ مسیحائی عیاں

شرح اسباب علامات اب کہاں تک کیجئے
جلوہ گر آیات صحت سے زمیں تا آسماں

الغرض ایماں پوچھا میں نے پیر چرخ سے
کس کے ہی یہ عہد راحت عہد امن و اماں

سن کے اس نے مجھ سے بولا کیا تجھے معلوم نہیں
پرورش پایا ہی تو دولت سے جسکی اے جواں

یعنی نواب سلیمان قدر و آصف جاہ عصر
عادل و اکرم نظام الملک عالی خانداں

سنتے ہی یہ نام اقدس میں کہا کیا پوچھئے
وہ کریم ابن کریم و بانئ صاحب قراں

گوہر درج سیادت، اختر برج شرف
جوہر شمشیر جرات سرگروہ اشجعاں

ابتدا سے پرورش پایا ہی میرا گوشت پوست
مو بمو اس کے نمک سے اب تلک تا استخواں

گرچہ شعر و شاعری میں کچھ نہیں مجھ کو شعور
پر ادا کرتا ہوں میں حق نمک کا اب بیاں

سر فرد ہو کر شتاب اے خامۂ زریں نگار
مطلع انوار سا لکھ مطلع روشن بیاں

(مطلع)

تو ہے وہ مہر جہاں افروز دادہ مہرباں
روز و شب تجھ سے منور ہے زمین تا آسماں

بادشاہی کیوں نہ دیوے زیب افسر تجھے
چتر ہے سر پر ترے سے فضل خدا کا ہر زماں

پالکی کا بھی ترے ہی اس قدر پایہ بلند
ہے بجا کہئے اسے گر ہمسر تخت رواں

ذات عالی سے تری راضی ہیں عالم میں شہا
سے طیور و وحش و دام و دد سبھی انسان و جاں

دولت و حشمت تری مثل سلیماں کیوں نہ ہو
تجھ میں اور اس میں ہی یک فرق نبوت درمیاں

مدح تیری صرف میں لائے نہ کوئی نحو سے
افعل التفضیل کے صیغہ کا عامل بھی یہاں

باندھے جو معروف مضموں تجھ ثنا و وصف میں
ہی مرے نزدیک وہ مجہول و مکسور اللساں

علم منطق تجھ صواب رائے کا ہی ایک جز
فکر میں تیری خطا کو رہ نہیں ہی بے گماں

جو سخن موضوع ہے میرا صدق ہے ہر شکل میں   جا نہو مت اک کہیں محمول بر کذب بیاں

میں لکھوں ہوں یہ مضامین بدیہی یک قلم   شعر میں میرے نہ پایا جائے تقصیری کا نشاں

ذات عالی سے تری بیش قیاس خاص و عام   بے گماں انسان کامل کا نتیجہ ہے عیاں

سرو کی مانند موزوں فی الحقیقت ہیں سب   طبع رنگیں سے چلوں میں جیوں بہار گلستاں

خندۂ گل بھی تبسم سے ہے تیرے شرمسار   مدح خواں ہیں بلبل و قمری بہ رنگ بندگاں

بادشاہ ملک استغنا کرے محتاج کو   سایۂ عالی ترا ظل ہما ہے بے گماں

تھی اگر مشہور جرأت رستم و اسفندیار   طے کیے ہینگے انھوں نے گو جہاں میں ہفت خواں

دبدبے نے سہم کے تیرے کیا تسخیر اب   ہفت اقلیم زمیں لے کے تا ہفت آسماں

لالہ گر رنگ میں جیسے سیاہی داغ کی   کرۂ آتش میں ہی باروت کو حفظ اماں

کون کر سکتا ہی سینہ کو صدف کے چاک اب   واسطے گوہر کے تیرے عہد میں اُدر فشاں

کیا بتاؤں جوہر برش تری شمشیر کا   جس کے قبضہ میں ہی بیکر بندے تا اصفہاں

اس قدر ہی دبدبہ اس کا کہ شاہ روم و زنگ   بھیجتے ہیں واسطے تیرے ہمیشہ ارمغاں

ذکر سے اس کے کٹا جاتا ہے دشمن سربسر   رو برو پھیرے کبھو یکدم سو یہ طاقت کہاں

گر اسد، سرطان و جدی ثور کو باہم ملا   باندھئے جو رنگ چاروں کا برائے امتحاں

ٹک اشارہ ہی کرے جس وقت تو اک آن میں   تا قسم گاؤ زمیں ہرگز نہ ٹھیرے درمیاں

کیا کروں وصف سپہر اور اس کے پھولوں کا بیاں   ابتدا جس کے نمونہ سے بنا ہے آسماں

کیوں نہ ہووے روز میدان ہمسر چتر شہی   ہی جہاں کے بیچ و پشت و پناہ انس و جاں

کیا بتاؤں جو تجھے حق نے دیا ہے خلق و حلم — آوے دشمن بھی ترے سایہ میں تو پاوے اماں

نقطۂ موہوم کا اک بار خط بندگی — مرکز اقبال کو پہونچے اگر تیرے یہاں

سرفرازی پاوے تجھ سے اس قدر ہر کل میں — دائرہ تاک چرخ کے فائز ہووے بے گماں

نخچ میزان تیسا جو ہم سنگ جہاں کا نہات — حلم کو تولیں اگر تیرے برائے امتحاں

حلم کا پلہ رہے قائم زمیں پر تا بحشر — پلہ کہسار پہونچے تا بہ ہفتم آسماں

جلوہ گر یوں حسن تیرا جب کماں کھینچے ہو تو — ہر برج قوس ہیں جس تاک کے ہووے عیاں

فی المثل ہووے اگر الماس کا کوہ عظیم — روبرو تو وہ کہے نئے لے شیشہ گیتی ستاں

غرق ہووے تیر تیرا اس قدر پل مارتے — جس طرح ذرہ نجست میں بال کا ہووے نشاں

جیوں پر جبرئیل از بس بے خطا ہی دہر میں — ذرہ ذرہ بہرت اس کے پکارے الاماں

جبکہ برج قوس میں تحویل ہو تیر فلک — تجھ صفائے شست کی تعریف لکھتا ہی دہاں

تیرے گلگوں کا لکھے جو ایک ذرہ حسن لطف — میرے شبدیز قلم کی اس قدر طاقت کہاں

زین اس پر جس گھڑی کا مرصع کا بندھے — تجھ سواری میں کرے بن ٹھن کے یوں دیداریاں

تخت طاؤسی کہوں یا گرد و اسپ براق — برق تازی کا تو اس کی مجھ سے ہو کیونکر بیاں

باگ کا ہلنا تو ہے دشوار جوں نور نظر — جنبش مژگاں سے اڑ جاتا ہے وہ تا آسماں

نوک بھالے کی زمیں پر ٹیک کر اے شہسوار — ٹک اسے پلٹا کرے جس دم تو کاوے پر رواں

ہر پلٹ میں اس قدر شائستگی سے وہ پھرے — گردش پرکار میں یہ حسن و یہ خوبی کہاں

چلتے ہیں تیرے جلو میں آفتاب و ماہتاب — جس کو یہ باور نہ ہو وہ دیکھ لے تیرے نشاں

کیا کہوں اقبال تیرا دیں پناہا روزِ رزم　　جلوہ گر میداں میں ہو وہ جب نشانِ زر فشاں

فوج اعدا کی سیاہی یوں چھپے پل مارتے　　طلعت خورشید سے جس طرح شب ہووے نہاں

جس کا انموذج کبھو ہوتی نہیں صد فصلِ گل　　کیا کروں رنگینیٔ افواج کا تیری بیاں

چو طرف سے دستہ دستہ اس طرح ہووے رواں　　موسمِ برسات میں جیسے امنڈتے ہیں سحاب

صدمۂ سُمِ شتوراں سے لرزتی ہے زمیں　　گرد لشکر سے ملے چشم کواکب آسماں

جن و انساں بولتے ہیں ذالک یوم النشور　　شور جب دم کرنائے رزم کا ہووے عیاں

نقش مارا تشش جہت میں یہ ترے اقبال نے　　گر گیا منصوبہ نرادِ فلک کا تختہ ساں

روک لے مہرہ کو جیسا ششدرِ دنبالہ دار　　اس طرح دشمن کو تیری فوج گھیرے درمیاں

بیدق شطرنج کیا رتبہ کو پہونچے شاہ کے　　کج خرامی سے اگر فرزیں کا ہووے ہمعناں

جز دغل بازی نہیں تیرے عدو کی کچھ بساط　　مات ہونے کے سوا رخ کو دکھاتا ہے کہاں

سر مخالف کا تراشتے ہے ترا یک غلام　　تاج شاہی زیب دے ہے تجھ کو اے فخر زماں

آیۂ نصرٌ من اللہ، سورۂ فتحِ مبین　　واسطے تائید کے تیرے ہمیشہ ہے عیاں

دشمنوں کے دمبدم پامال سر ہوں جیوں حباب　　فوج دریا موج تیری جس طرف ہووے رواں

شادیانوں کی ترے پہونچی ہے نوبت یاں تلک　　دلکشی کا اُن کی آوازہ ہے تا افلاکیاں

تو ہے خورشید اور عماری ہو ہو برج حمل　　مثل ماہ نو کجک اور فیل گویا آسماں

کیوں نہ ہووے عید نورؔ ذرا اس میں تجھ کو دیکھکر　　خلق کے تئیں اے شہ فرماں روائے انس و جاں

وہ عماریِ مکلل اور فیل باشکوہ　　وہ ستاروں کی چمک وہ نردباں جوں کہکشاں

بھول جائے دیکھ کر جس کو تری باغ ارم — اس قدر مشک پہ اُس کی نکہت آمیزی کی شاں
عہد واروں سے جلو میں ہوں شگفتہ صد چمن — روبرو بھالے ہیں اُس کے ہو بہو سرو رواں
اُس کے اب وصف و ثنا میں فکر قاصر ہو گئی — غیر اس مضمون کے ثنا کیا کہے میری زباں
گلشن کشمیر بیں یکجا مرقع کار ہے — ہیئت مجموع سے یوں حسن اس کا ہے عیاں
ہے بجا سطوع تجھ کو وہ عماری زرد فام — یوں وقوع سے کیا اللہ نے جس کا بیاں
اُس عماری بیچ تجھ کو دیکھ ہاتھی پر سوار — کام کرتا ہے یہی وہم و خیال شاعراں
ذات والا ہے تری گویا کلیم بے نظیر — طور سینا فیل وہ رنگ تجلی ہے عیاں
جلوہ افروزی تری میں کیا کہوں ہودہ کے بیچ — ماہ تاباں جس طرح ہالے میں ہو بر آسماں
اور خواصی میں تری دونوں بہادر کی نشست — جس قدر ہے زیب افزا کیا کروں اس کا بیاں
بے شک و لاریب یہ برجیس و بہرام فلک — نیر اعظم سے پائے ہیں سعادت کے قراں
حشر تک یہ دولت و اقبال قائم کیوں نہ ہو — ہیں ترے اعیان و ارکان بہتر از سیارگاں
نامہ عالی پہ مہر خاص روشن مثل مہر — کب نہ ہو ممتاز منشی جیسوں دبیر آسماں
بہتر از شان و شکوہ فرقداں برج حوت — ہے سواری میں تری ماہی مراتب بیگماں
اس قدر رکھتے ہیں صولت ساتھ نقارے ترے — شور جن کا غلغلہ افگن ہے تا ہفت آسماں
ذکر تیری رزم کا جوں چاہیے کب ہو سکے — بزم آرائی کا تیری کیا کروں میں اب بیاں
جام جم ہے دیدۂ لبریز حسرت جس کو دیکھ — خون "دل" کا اُوس وکے" ہوویں حسد سے نرماں
غیرت باغ ارم تیرا ہے وہ عشرت محل — جس کا ہر اک طاق رشک چشم ابروئے بتاں

شامیانہ ہے تری مسند پہ واں اس ٹھاٹ کا — چتر شاہنشاہی میں یہ شان و شوکت ہے کہاں
اس قدر ہے جا بجا رنگیں لباسوں کا ہجوم — جس طرف دیکھو تو ہے رشک بہار گلستاں
ہر جگہ ہے جشن کا آئین و قانون نشاط — ساز عشرت سے مہیا ہر محل و ہر مکاں
ہر پری وش او پہ خراماں ہیں بصد ناز و ادا — گلبدن غنچہ دہن رشک پری سرو رواں
اس قدر ہے شعلۂ آواز و حسن دلفریب — بھولتے ہیں شمع و گل کو بلبل و پروانہ یاں
دائرہ میں بزم کے ہر اک مقام اپنے کے بیچ — تیری آہنگ نوازش سے ہی ہے بزم شادماں
جس گھڑی تو مسند عالی پہ فرمائے جلوس — دیکھ کر روشن ہو مہر و مہ سے چشم آسماں
ہمت عالی کی تیری مجھ سے کیا توصیف ہو — بخش دیتا ہے اٹھا ادنی کو گنج شائیگاں
اس قدر تیرے تئیں اللہ دریا دل کیا — موتیوں سے جیوں صدف سائل کا بھر دیوے دہاں
بسکہ تیرے فیض نے بخشا یہاں تک لعل و در — شرم سے اس رنگ کو پہونچے ہیں سارے بحر و کاں
خاک میں یک لخت بس گئے معدن الماس لعل — پانی پانی ہو گئے گوہر کے بحر بیکراں
تیرے بندوں کو نہیں اکسیر خالص سے غرض — سنگ پارس سے ترا بہتر ہے سنگ آستاں
گر محاسب تجھ ثنا میں اب اقل مرتبہ — ہر احاد او پہ بڑھا کر صفر ذرات جہاں
جزرو مدکرتا ہے اکثر و ہ تا روز شمار — تب بھی ہو سکتا نہیں عشر عشیر اس کا بیاں
نام رکھ کر اس قصیدہ کا "جلوس آصفی" — دیں بنا ہا ختم کرتا ہوں دعا پہ یہ بیاں

دوستوں کا دیکھ تیرے منہ برنگ صبح عید
غرق حیرت دشمناں جوں دیدۂ قربانیاں

قصیدہ جشن شادی نوروز و سالگرہ

جہاں کے بیچ ہے اب یہ نوید شہرۂ عام
کہ عشرت و طرب و عیش و راحت و آرام

شتاب آن کے حاضر ہوں بارگاہ کے بیچ
ہمیشہ شام سے تا صبح و صبح سے تا شام

ہے جشن سالگرہ آج اس شہنشہ کا
کہ جس جناب کا نہ پشت سے فلک ہے غلام

کریم ابن کریم اور فیض بخش جہاں
خجل ہے دیکھ کے نیساں بھی جس کا ابر کرام

ہمایوں اکبر و اسکندر و فریدوں تک
حضور اس کے جب آئیں ہیں بہر نذر تمام

ہزار داب سے ہیں یہ صدائے چاؤشاں
ادب سے دور سے ہٹ کر ملاحظے سے سلام

نظیر ہووے نہ اس آفتاب کا پیدا
ہزار چرخ اگر لگا وے گردش ایام

اسی کی ذات مبارک سحاب رحمت ہے
کرم سے جس کے ہیں محفوظ سب خواص و عوام

وزیر اس کا جو مشہور ہے بلند مکان
صواب رائے ہیں دل جس کا مظہر الہام

رموز دان ریاست دقیقہ یاب جہاں
صواب دید سے اس کی ہے سلطنت کا نظام

سپاہ پرور و گیتی کشا و دشمن بند
امیر اعظم و نیکو شیم و مدار تمام

بسان بزم فریدوں و جشن جمشیدی
کیا یہ جشن ہے آراستہ بہ زینت تام

ز نور نور چراغاں و شمع کافوری
ہے رشک چرخ مقرنس ہر ایک رات مدام

ہزار چشم ستاروں سے کھولتا ہے سپہر
ہے بسکہ دید سے اس بزم کی اسے آرام

اس انجمن کی لکھوں کیا میں تجرا فروزی
عجب نہیں ہے کہ روشن ہو دیدہ بادام

زمیں سے تا بفلک ہو صدائے بلبل عیش | برنگ گل ہے معطر سدا لباس انام
دماغ دہر نہ ہو کیونکہ سرخوش عشرت | ہو رشک موج مے رز پری وشوں کا خرام
ہے آب گوہر و یاقوت موجزن ہر سو | جواہر اس قدر عالم کو اب ہوا انعام
جو اُس کا وزن ہوا ہے زر و جواہر میں | میں اس وفور کی تفصیل کیا کروں ارقام
بجا ہے اس کو کہوں میں جو یوسف ثانی | کنیز جس کی زلیخائے دہر ہیگی مدام
ہے بسکہ وہ شہ عالم پناہ فیض رساں | جہانیاں بھی ہیں سب اُس کے جان و دل سے غلام
ہے خانہ زاد جو ایمان ہے گا موروثی | کرے ہے اب تو دُعائیہ پہ یہ ختم کلام
وہ رشتہ سال گرہ کا ہو یارب اتنا دراز | کہ عمر خضر ہو وابستہ ہر گرہ سے مدام
ہر ایک صبح بصدق و خلوص سے شاہا | اسی دعا میں ہے تیرا یہ کمتر خدام
الٰہی تو ہو مسرت ہو اور دُنیا ہو | کہ تیری ذات مبارک سے ہے جہاں کا قیام

قصیدۂ بہاریہ جشن نوروز و سال گرہ میر نظام علیخان بہادر نظام الملک آصفجاہ

عجیب بہار سے آیا ہے اب کے خُرم سال | زمانہ عیش و طرب سے ہوا ہے مالامال
بیان وفور نشاط و طرب کا کیا میں کروں | کہ شرق و غرب سے لے کر ہے تا جنوب و شمال
جدھر نگاہ کرو دستہ دستہ ہے گُل عیش | کہ رشک گلبن فردوس ہے ہر ایک نہال

ہزار رنگ سے ازبس کھلے ہیں غنچۂ گل
برنگ صحن چمن ہیں تمام دستِ جمال

بہار سے نہیں نسبت خزاں کو اتنی بھی
کہ رنگ کو زرد ہونے دو موسم سے ہے کچھ خیال

نظر سے غیب جو وہ اور یہ جو جلوہ نمود
چمن سے گلشن فردوس کو نہ پہنچے مثال

زبس نسیم سحر آب و رنگ بخشے ہے
ہے برگ گل سے بھی سیراب تر ہر ایک نہال

ہوئے ہیں رشکِ گلِ سرخ اب اوت سے
زمیں پہ جتنے تھے اس عصر میں سیاہ خال

نظر میں اتنا ہی دلکش ہے داغ لالہ کا
سیاہ عارض گل رخ پہ جیسے ہووے خال

چمن کے بیچ تو گلگشت کے لیے اب کے
ہر ایک سرو صنوبر نے کی ہے پیدا چال

برنگ غنچہ و گل ہر گرہ شگفتہ ہوئی
جو دیکھو دانۂ تسبیح تا بہ دانۂ خال

یہاں تلک اب کے ہی فصل بہار عیش انگیز
کہ گل فشاں ہیں تبسم سے غنچوں کے اطفال

رکھیں ہیں عاشق و معشوق اتحاد اتنا
کہ طوق فاختہ ہے تمام سرو کی خلخال

زبس ہے نشو و نما کی بلند پروازی
عجب نہیں بط مے بھی نکالے اب پر و بال

رکھے ہے اتنی ہوا اعتدال کی تاثیر
نہیں ہے شمع کو آتش سے بیم اضمحلال

ہر ایک نقش سم اس کے سے نافہ ہو پیدا
جو شورہ زار میں سبزہ کوئی چرے ہو غزال

جدھر وہ جائے اُدھر کے تئیں نسیم ختن
پے شمیم پھرے اُس غزال کے دنبال

رہا نہ فرق سا ازبسکہ رطب یابس میں
بسان شان عسل شہد ریزی غربال

طراوت اتنی ہی فیض ہوا سے عالم میں
ہر ایک سنگ سے جاری ہوا ہے آب زلال

جہاں تہاں ہے زبس رنگ گل اجتماع فرح
ہوئے ہیں رشک گل اب داغ قرعۂ رمال

اگر نسیم چلے ٹک بروئے خاکستر | تو حشر سو خستگاں ہوئے یوں بلا اہمال
ہزار نخل برومند کھینچے خاک سے سر | شگوفہ تا بہ ثمر گل کرے با ستعجال
زبسکہ خار سے ماہی کے گل ہوئے پیدا | چمن کو بحر سے کرنا تمیز اب ہے محال
یہاں تلک ہے نسیم بہار گل افشاں | کہ وصف باغ میں سوسن کی اب زباں ہے لال
بعمدہ ہزار نشاط و طرب گلستاں میں | ہر ایک شاخ پہ ہے بلبلوں کا اب یہ مقال
شرف میں آج ہی خورشید شاہ میزاں میں | زہے ہمایوں و ساعت زہے مبارک فال
بہم ہے شادیٔ نوروز و جشن سالگرہ | بہ بارگاہ حشم فیض و عدل خصال
سو وہ نظام علی فتح جنگ آصف جاہ | بلند جس کا ہے جمشید سے بھی جاہ و جلال
کرم سے اُس کے خلائق کی زندگانی ہے | جہانیاں کا ہے از بسکہ قبلۂ آمال
سوار جب ہو وہ رخش فلک خرام اوپر | چلے رکاب میں اُس کے بہ اعتقاد ہلال
شکوہ و شان یہ اس کے حضور اقدس کا | جلوس جب وہ کرے ہے بہ مسند اجلال
ادب سے سر بگریباں و دست بستہ مدام | کھڑے ہوں قیصر و فغفور در صف نعال
نہ ہوسکے ہمت عالی کا اُس کی مجھ سے وصف | کہاں یہ حوصلہ مجھ کو ہے اور کب یہ مجال
کہ جیب فیاض کا اس کی ہے خرچ یک روزہ | جو کچھ ہے حاصل ہندوستاں کا مال و منال
وہ بس ہے قدر شناس اور راز دان ضمیر | نہ کھولے لب کو کوئی مستمند اگر بسوال
ہنوز فیض قدمبوس تک نہیں پہونچا | کہ اس کے دل کی بر آوے ہے آرزو فی الحال
کروں بیان عنایت میں اس کا اب کیا کیا | ہوئی نگاہ کرم جس پہ ہو گیا وہ نہال

تمام عمر وہ پھر منہ سے لعل اُگلے سب — جسے ازراہ نوازش کبھو ملے ہی اُگال

سریر و تاج کو زینت ہو ذات اعلیٰ سے — کنیز دولت دنیا ہے اور غلام اقبال

وزیر اس کا جو ہے بے نظیر و الا شان — شجاع و عالم و مجموعۂ تمام و کمال

اُسی کی ذات سے ہی انتظام دولت و ملک — اُسی کی رائے سے ہی سلطنت کو استقلال

خیال اس کا چلے جس طرف پے ادراک — تو شاہدان ضمایر کریں ہیں استقبال

بیاں نہ اس کی ہو مجھ سے فصاحت تقریر — زباں ہے جس کی تراوش کرے ہی سحر حلال

سحاب فیض کی اس کے یہ آب یاری ہو — کہ سبز جوں پر طوطی ہو مزرع آمال

وہ کیجیے وزن مبارک میں لب سخن سنجی — کہ پہنچے جس کے نہ پاسنگ کو کلیم و کمال

کرے ہی اس کا تو شاہیں سا نسر فلک — بوقت وزن یہ میزاں کو ہووے عز و جلال

ہر ایک ڈوری ہی اس کی جو رشک خط شعاع — ہر ایک کفہ کو خورشید و ماہ کیجے خیال

وہ پلہ جس میں ہو دولت ہو رونق افزوری — بجا ہے چشمۂ حیواں کہے دل جو اس کو مثال

ہزار دانۂ یاقوت کی بنے تسبیح — وہ سلک سال گرہ میں ہو اس طرح کا کمال

حیات خضر ہو وابستہ ہر گرہ کے ساتھ — گرہ جو سال گرہ میں پڑے ہی سال بسال

بس آگے عرض کی قدرت نہیں رہی شاہا — کہ صبح و شام ہیں ایمان کو یہی اشغال

الٰہی تو ہو مسرت ہو اور دنیا ہو — جہاں کے بیچ با فضال ایزد متعال

یہ دونوں جشن ہیں قایم زمانہ میں جب تک — رہیں یہ شاہ و وزیر آفتاب و ماہ مثال

یہی دعا ہے بحق نبیؐ و علیؑ ولی — کہ سرفراز رہیں دوست، دشمناں پامال

قصیدہ مہتابیہ در مدح وزیر میر نظام علیخاں بہادر نظام الملک آصفجاہ

ہوا ہے آج کی شب ماہتاب کا یہ نور — کہ شش جہت کو جو دیکھو ہے ایک عالم نور

زمیں جو دیکھو تو ہے خوان نقرئی گویا — ہے آسماں سے بھی سرپوش نقرئی کا ظہور

ہے بسکہ دامن صحرا پہ نور پاشی ماہ — ہر ایک کوہ ہوا کوہ برف سے مشہور

فلک پہ گویا ہزاروں ہلال ہیں پیدا — جو دیکھو بحر میں کشتی سے تاجروں کا عبور

برنگ برق ہے ہر ایک موج تابندہ — بسان ہالہ ہے گرداب بے قصور و فتور

ہوا ہے نور سے اب جذب اشک ابر میں — کہ ایک تختۂ الماس ہے تگرگ کے حضور

اثر تجلی کا ہے یہ کہ شکل بیمار — سفید زاغ سے لے کر ہوئے ہیں تا عصفور

نہیں ہیں روم سے کم رو سفید زنگیاں — بدن پہ گویا زمانہ کے ہے ملا کافور

ہوا پہ جیسے ستاروں کے چھوٹتے ہیں گنج — فلک آشیانوں سے پرواز کر رہیں ہیں طیور

بغیر کرمک شب تاب اب نہ ہو پیدا — جہاں کے بیچ ہو جس جائے خانۂ زنبور

ہے نور پاشی زبس ماہتاب عالم میں — بنے ہیں سلک گہر جب چلے قطارۂ مور

ہر ایک سنگ بھی شیشہ کا ہو گیا فانوس — شرار اس میں ہے جوں شمع روشن کا نور

زمیں سے تا بہ در و بام نور یا وہ سے اب — ہے کار نقرۂ محلول بے فتور و قصور

ہر ایک گھر ہے آئینہ خانہ کا ہم چشم — ہوا ہے خاک سے زنگار اس قدر اب دور

چمن کے بیچ جو دیکھو تو یہ شگوفہ ہے — کہ ہر درخت ہوا از رشک درخت بلور

ثمر درختوں پہ اس طرح زیب دیتے ہیں ۔۔۔ کہ آسماں پہ ہو تاروں کا جس طرح سے ظہور

ہے تار سنبل تر وہ منقش سیمیں ۔۔۔ کہ جس کے رشک سے ہو پیچ پیچ گیسوئے حور

ہے بید مجنوں کا عالم مثال فوارہ ۔۔۔ ہوا ہے سرو سہی رشک نخل قلۂ طور

ہر ایک تاک کی ہو شاخ مثل کاہکشاں ۔۔۔ بسان غنچۂ پروین ہے خوشۂ انگور

ہر ایک نہر ہے اب جوئے شیر کے ہم رنگ ۔۔۔ ہو رشک چشمۂ سیماب حوض آب طہور

ہوے نہ لالہ و سوسن ہی یاسمین سے بدل ۔۔۔ ہر ایک گل سے ہو نسرین و نسترن کا ظہور

شگفتہ ہووے گل اشرفی سے وادی ۔۔۔ جہاں تہاں گل مہتاب کو ہو اب یہ فور

فقط نہ جلوۂ طوبیٰ ہے ہر درخت اوپر ۔۔۔ ہے برگ برگ درخشندہ شکل عارض حور

ہوا کمانچہ بھی روشن ہلال کی مانند ۔۔۔ ہو رشک کاہکشاں بزم میں ہر اک حضور

ہے قرص بدر کی رونق سیاہی مردم ۔۔۔ ہر ایک زہرہ جبیں ہو گئی سراپا نور

ہر ایک ساقی مہتاب رو کے اب آگے ۔۔۔ دھرا ہے شیشۂ الماس کا و جام بلور

زمیں جہاں کے ہو مہتاب شست و شو کے بیچ ۔۔۔ نہیں غبار کا خاطر پہ اب کہیں مذکور

طلسم خال تباں گنج مقشر ہے ۔۔۔ سواد سایہ بھی ڈھونڈا گیا نہیں دستور

نظر میں آوے وہ ہر ایک سفید بادلہ پوش ۔۔۔ کسی بھی رنگ کا پہنے لباس اناث و ذکور

لکھوں کچھ اور بھی ایمان آب گوہر سے ۔۔۔ جو ہووے خانۂ الماس اور لوح بلور

کہ یک لطیفۂ مضمون خاص کا اظہار ۔۔۔ ہے ایسی طرز کی تمہید سے مجھے منظور

کہ فیض عام ہے یہ ایک روشن اختر کا ۔۔۔ ہیں جس کے عہد میں اب شاد کام سب جمہور

امیر اعظم و عالی جناب والا شان وزیر شاہ دکن فخر قیصر و فغفور

بہ بزم ثانی جمشید و کیقباد نسب بروز رزم و معارک مظفر و منصور

بہ بذل مثل فریدوں بہ معدلت کسریٰ جہاں کشائی میں مثل سکندر و تیمور

کسے ہے آنکھ ملانے کی طاقت و یارا ہیں اس کے روبرو سب سر بہ جیب اہل غرور

بہ خوردانی کا اس کے ہو مجھ سے وصف کہاں خدا نے جس کو عنایت کیا یہ فہم و شعور

ضمیر اس کے پہ اسرار منکشف ہیں یوں جو سال و ماہ میں ظاہر جہاں میں ہوں ہر دو

کہ جیسے سیر کواکب کے وجہ و آثار تمام ذہن منجم میں رہتے ہیں محفور

بسان کاتب اسے ہے کھلے سمجھتا ہے معانی خامہ تقدیر میں جو ہے مستور

تسلی ہوتی ہے یہاں کس کو مدح نائب سے بوجہ سائی سے لئے [illegible] بار یاب حضور

مطلع ثانی

ہے آج دولت جمشید کا تجھے مقدور ضمیر پاک ہے جام جہاں نما مشہور

پہنچے ہے تجھ کو ہی قیصر و فرمانروائی عالم رقم ہوا ہے ترے نام سے ہی یہ منشور

صواب رائے کے تیرے میں کیا کروں اوصاف تجھی سے آبرو پاتے ہیں سلطنت کے امور

کرے ہے پرورش ساکنان ہفت اقلیم خدا نے تجھ کو اسی کام پر کیا مامور

ترا بھی پنجہ بخشش نہیں کم از نیساں کہ جوں صدف کف سائل گہر سے ہو معمور

ترے کرم کا وہ دریا ہے بیکراں جس سے کرے شناور وہم و گماں کبھو نہ عبور

کمان و تیغ و سپر فیل و باد پا تیرا ہلال و برق و سحاب و مہر و نسیم سحور
اب اس جناب کا کب مجھ سے ہو سکے ہو وصف کہ شاعران زماں کا ہی فہم یاں معذور
بصد عقیدت و داد آب و کورنش و تسلیم ادائے تہنیت عید اب مجھے ہی ضرور

مطلع

ہی آج وہ تری دولت سرا میں جشن و سرور کہ خواب میں بھی نہ دیکھے ہوں قیصر و فغفور
نہ ہووے کیونکہ وہاں ماہتاب پا انداز کہیں ہی مسند زریں کہیں ہے فرش سمور
وہ شیشہ خانہ ہی یار و کش پری خانہ کہ ایک عکس کرے صد ہزار جائے ظہور
تجھے یہ مسند اقبال دیکھ جلوہ فروز گل بہار کی مانند خرم و مسرور
برائے تہنیت و نذر راجہ و نواب بصد نیاز عقیدت ہوں بار یاب حضور
ہر ایک عید کو لے مہر و ماہ نے زر و سیم دکھائے نذر ہے تجھ کو ادب سے ہٹ کر دور
یہ تیرا رتبۂ والا کہ جز نگاہ کرم کبھو نہ ہاتھ سے اپنے اٹھائے اُن کی نذر
تو بسکہ مجمع خوبی ہے بے عدیل و نظیر ترے کمال کی تحریر کا کسے مقدور
دعا پہ ختم میں کرتا ہوں اب قصیدہ کو الٰہی تا رہے یہ گردش سنین و شہور
برنگ صبح رہیں روسفید تیرے دوست
سیاہ بخت عدو ہو دیں جیوں شب دیجور

قصیدہ در مدح نواب سردار الملک بہادر یعنی گمانی میاں ہمراہی نواب شمس الدولہ بہادر

ظلم کے سر پر یا دو پہ بیٹھا جو شہ خاور
اور سر پہ رکھا زرین ہیند عجب فسر

بھاگی سپہ زنگ اور دی ڈال سپر نے
پوشیدہ ہوئے جا کر شب گرد جو تھے اختر

حکم صبح کے دم بھرتے یک تبسم ہی اٹھ گئی
منہ پر سے زمانے کے وہ غالیہ گوں چادر

گل ریز ہے ہر سو سحن نسرین بہار افزا
کافور کے جلوے سے محجوب ہوا عنبر

آفاق کا سب عرصہ یک دست ہوا روشن
زر پاش ہوا پنجہ جب اس کا زمانے پر

پھر فیض لگے پانے جو جوہر قابل تھے
زر خاک ہوئی کیسر اور سنگ ہوا احمر

ذرات کی بھی رتی چمکے ہے ہر جانب
شبنم کا بھی اب رتبہ پہنچا ہے فلک اوپر

در لطف خلائق کی آنکھوں کے کھلے ہر سو
اور قصر فلک کے بھی وا ہو گئے سب منظر

اس کا رخ متغیر ہیں رنگ ہوئے تازہ
ہیں دیکھ جسے حیران نقاش سے تا زرگر

خوبوں نے بھی رو تازہ دیکھا جو زمانے کا
آئینہ کو دھر آگے ہر صفت کیا زیور

انعام جو آمان گلشن کو ملا یاں تک
پایا ہے زر خالص ہر گل نے طبق بھر بھر

خورشید کے پرتو سے طفلان حبابی کو
زرین کلاہی کا ہے ناز لب جو پر

لے باغ سے تا صحرا مت جانیو شبنم ہے
یہ فیض سحر نے ہی بخشے ہیں دُر و گوہر

گلگون صبا اگرچہ ہے گلشن میں اب یقین غنچہ کا چٹکنا بھی گویا ہے گویا اس پر
مے خانۂ عالم میں اب دورِ صبوحی ہے مینا سے پری نکلی مستوں میں چلا ساغر
مرغانِ چمن گلشن میں ہیں نغمہ سرائی غنچے ہیں تبسم میں خنداں ہیں گل اب بکھر
یاقوت کی شاخوں کو یہ حسرت ہے اور ساغر زر بکف آمادہ ہے گل عبہر
کس لطف سے تیس پہنچے ہیں سلسلہ اب اس کا دیتی ہے صبا ہر دم جو رایحۂ عنبر
اب صبح بہاری کا یہ فیض ہے عالم میں جو کچھ میں کہوں تجھ سے کیجو تو اسے باور
ہے شعلہ و دود بس میں اتنا گل و سنبل گلدان سے روکش ہیں ہر ایک جگہ مجمر
یہ سب شہِ خاور کی دولت سے مزے ہیں سے ذرۂ خاکی سے تا قرص مہ انور
سختی سے گزرتی نت اوقاتِ ہنرمند ہوتا نہ اگر جگ میں وہ ایک کرم گستر
نواب فلک قدر و فیاض زماں جس کا آفاق میں سردار الدولہ ہے خطاب اظہر
اس دور میں سب اس کو کہتے ہیں حبیب اللہ از بسکہ سخی ایسا دیکھا نہ جہاں پرور
ایماں ہے مجھے واجب مدح و ثنا اس کی ہے لطف و عنایت کا اللہ کے وہ مظہر
اب پڑھئے حضور ایسے اس مطلع رنگیں کو ہو جائے رخ حاسد سنتے ہی جسے اصفر

مطلع ثانی

وہ ابر کرم تیرا نیساں سے ہے جو بہتر داماں گدا کرتا یکدم میں پر از گوہر
وہ حاتم و دوراں ہے نواب کے زمانہ میں آگے تری ہمت کے ہے لعل بھی جوں کنکر

یکساں ہی تیرے آگے لے دوست تا دشمن — اخلاق و کرم تیرا جاری ہی سدا سب پر
لے کر بنی آدم سے تا غنچہ و گل ہم نے — دیکھا نہ کوئی مفلس دیکھا نہ کوئی بے زر
کچھ ہند نہ اب تجھ سے ممنون نوازش ہی — آوازہ کرم کا ہے عالم میں بہر کشور
تنہا نہ غلام اب ہے اقلیم حبش تیرا — شرمندۂ احساں ہی فغفور سے تا قیصر
اغنام کی ہے مانند خلقت کے تئیں تو نے — بخشے ہے سدا فیل و اسپ و شتر و اشتر
تجھ عدل کی ہیبت سے اب مو بہ کو رکھتا ہے — مژگاں کی طرح اپنی آنکھوں پہ سدا از در
گر کوہ کمر باندھے ٹک کاہ کی ایذا کو — تجھ برق غضب سے ہو جل کر وہیں خاکستر
تجھ عہد میں رہتے ہیں ہم خانہ بعہد الفت — ہے شیر سے تا آہو اور باز سے تا تیتر
تو دین محمدؐ کے انصار سے ہے از بس — ہے نام ترا روشن محراب سے تا منبر
خوش ظاہر و خوش باطن خوش خلق تو ہی اتنا — ہیں دل سے فدا تجھ پر آفاق کے سب بشر
اب وصف شجاعت میں تیرے وہ پڑھو مطلع — فق ہووے جسے سن کر ہر ایک نبرد آور

مطلع

ہو رزم میں رستم بھی تجھ سے نہ کبھو سر بر — ہی تو صفِ مرداں میں ہم سر و ہم صفدر
روئیں تن اگر آوے کیا تاب کہ دم مارے — ہے گیو پشن برزو ہر ایک ترا چاکر
خورشید صفت یکتا تو ہی وہ بہادر ہے — ہووے نہ بیاں تیری شمشیر کا اب جوہر
میداں میں اگر ہووے وہ سایہ فگن یکدم — وہاں خاک سے ہو پیدا سبزے کی جگہ نشتر

گر پاتی ترے دشمن کے غرض کیا میں نے
فولاد کا ہو مغفر، فولاد کا ہو بکتر

فولاد کے پاکھر سے پھر غرق سراپا تک
ہو اس کی سواری میں اک فیل فلک پیکر

جب کھینچ کمر سے تو چھوڑے سر دشمن پر
یکدم ہیں دو حصہ ہو تا ناخن فیل آکر

میدان میں ہو جس دم شمشیر علم تیری
یک بار زمانہ بھی ہو جاوے ہے ششدر

خورشید ہی از بسکہ تو اوج سعادت کا
تجھ ہاتھ میں ہی نیزہ محود   خط و محور

تیغے میں ترے ایسا ہی فن کمانداری
جیوں قوس قزح اس کا رتبہ ہی فلک اوپر

تشبیہ کماں تیری رکھتی ہی مہ نو سے
خورشید کے جلوہ سے ترکش ہی ترا ہمسر

گر شست کی صافی سے لگ تیری بتا کیجے
بہرام، عطارد تک ہوں حلقہ بگوش آکر

غربال بنا دیوے کمار کے سینہ کو
تو چاہے شرر دوزی جس وقت نشانہ پر

ہی رشک چمن تیری افواج کا ہر رستہ
امواج سے دریا کے افزود ترا لشکر

پیرہی سدا اس کی یہ باد بہاری بھی
وہ تیری سواری میں گلگوں ہی پری پیکر

شبنم کی طرح اس کے ہر قطرہ پسینہ کا
اڑجاوے فلک اوپر ہر چند کہ ہی بے پر

کوئی رشحہ زمیں پر جو ٹپکے ہی کبھو اس کا
سیماب صفت وہ بھی رہتا ہی سدا مضطر

سرگرم وہ کاوے پر جس وقت کہ ہوتا ہی
جوں شعلۂ جوالہ پھرتا ہے ہوا اوپر

اس برق صفت کو تو چلنا ہی اگر ٹھیکے
پھر گرد کو بھی اس کے پہنچے نہ کبھو صرصر

تمثیل سواری کی کیا شان لکھوں تیرے
افلاک کبودی کا ہی ایک وہی ہمسر

وہ قطرہ زن اب ہوئے جوں ابر سیاہ جس دم
دانتوں سے دہیں چمکے وہ برق بہم دیگر

خرطوم کہوں اس کی یا نیل کا یہ دریا ۔۔۔ جاری ہے فلک پر سے یہاں روئے زمیں اوپر

ہو وے میں اگر رونق افروز تو ہو اس کے ۔۔۔ ہالہ میں فلک اوپر ہے گویا مہ انور

مداحی تری رتبہ میرا نہیں پر نسبت ۔۔۔ رکھتا ہے سلیماں سے ہر مورچہ لاغر

جو میرے دہن سے ہے تجھ وصف میں دُر ریز ۔۔۔ یوں آوے صدف سے بھی گوہر نہ کبھو باہر

اب مدح و ثنا تیری تحریر اگر کیجئے ۔۔۔ افلاک کا بھی کافی ہووے نہ کبھو دفتر

ہے ختم دعا اوپر اب نظم سخن یارب ۔۔۔ یہ نام رہے قائم تا صبح دم محشر

ہر وقت احبا کو ہو فتح و ظفر روزی ۔۔۔ حلقوم پر اعدا کے پھرتا رہے نت خنجر

قصیدہ شادی بادشاہ دکن نواب میر اکبر علیخان بہادر نظام الملک آصفجاہ بہ جہان پرور بیگم

جہاں کے بیچ وہ آئی ہے اب کے فصل بہار ۔۔۔ کھلے ہیں لالہ و گل چو طرف ہزار ہزار

فلک کے آئینہ میں ہے نمود عکس شفق ۔۔۔ ہوا کے ساتھ زمیں سے اگر اٹھے ہے غبار

زبس زمانہ میں شبنم کی دُر فشانی ہے ۔۔۔ نصیب سبزۂ خوابیدہ کے ہوئے بیدار

ہر ایک غنچہ سے از بسکہ رنگ پاشی ہے ۔۔۔ ہوا ہے مثل چمن سرخ دامن کہسار

غرض بجا ہے یہ فصل بہار کی افراط ۔۔۔ نہ کیوں ہو رشک رگ گل چمن میں ہر اک خار

ہے اس مخدرۂ عزّ و جاہ کی شادی　　ہر اک کنیز ہے جس کی پری شیریں کار

حریم حرمت و عفت کی ہے وہ حجلہ نشین　　جہان پاک کی ہے بانوے ستودہ شعار

مجال کیا ہے کہ اک برگ گل کو جنبش ہو　　صبا ادب سے محل میں کرے جو اُس کے گزار

وہ آپ شمع شبستانِ جاہ و عزت ہے　　نہ پہنچے پرتو خورشید و مہ وہاں زنہار

کوئی نہ زلف کا محرم ہے اُس کی جز شانہ　　سوائے آئینہ اس کا نہ دیکھا کوئی دیدار

اگرچہ ہے صدف خسروی کی دُرّ یتیم　　پر اس کا دادا ہے فخر کیان بلند تبار

امیر اعظم و عالی جناب والا شان　　وزیر شاہ دکن مہر آسمان وقار

دیا ہے اس کو یہ شہزادۂ سکندر جاہ　　کہ ہووے ماہ کو خورشید سے حصول انوار

نہ پہنچے جس کے تجمل کو جشن جمشیدی　　کیا عروس کا سامان اس قدر تیار

سُنا اگرچہ ہے سابق میں جشن نوشابہ　　پر اس کی گرد کو پہنچے نہیں ہے وہ زنہار

سحر شگفتہ چمن شام رشکِ شہر ختن　　کہ پیر چرخ نے دیکھا نہ تھا یہ لیل و نہار

کھلے ہیں خانۂ شادی کہ رشکِ باغ ارم　　کہ بہتر از خط و خال بتاں ہے نقش و نگار

وہ بوٹی دار ہر اک جائے فرش قالیں ہے　　جدھر نظر کرو ادھر چمن چمن ہے بہار

کہیں بلور کی قندیل اور کہیں فانوس　　نہ قمقموں کا مہندس سے ہو سکے ہے شمار

نہیں فلک پہ ستارے یہ داغ حسرت ہیں　　ہوا ہے بسکہ شبستانِ عیش پُر انوار

ہوئی ہے رشک رُخ زرفشان ماہ وشاں　　وفور نور چراغاں سے ہر در و دیوار

مدام بزم میں رامشگرانِ زہرہ نوا　　لے آویں دل کو فرشتوں کے آسماں سے اُتار

[illegible]

نہ کیوں ہو گلشنِ کشمیر دیکھ کر حیراں — کہ خرچ ہوئے ہزاروں ہی جیب گلاب کے ہار

یہ انجمن ہے معطر کہ بوئے عنبر و مشک — کرے ہے آن کے دریوزہ واں نسیمِ بہار

یہ وہ ہے جشن کہ جس پر طبق طبق زر و سیم — نثار کرتے ہیں خورشید و ماہ لیل و نہار

شبِ حنا کی بیاں ہو نہ مجھ سے رنگینی — کہ ایک دستِ چمن تھا محلہ و بازار

کہوں سواری مہندی کی کیا میں تو کٹ شالی — چمن میں جیسے گل افشاں چلی ہے بادِ بہار

نشان وہ کہ نشاں جس میں اسمِ اعظم کا — سپر ترکہ صورت اللہ جس سے ہو اظہار

جدھر کو دیکھو تو ہے دستہ دستہ لالہ و گل — کہ سرخ پوش ہوئے کل پیادے اور اسوار

بسانِ مہر ہیں فیلان آسماں شاں پر — پہن کے خلعتِ زریں کو سینکڑوں سردار

نظر پڑے تھا وہاں معجزہ نبوت کا — جہاں کہ نور فشاں تھے درختِ آتش بار

میں کس طرح نہ کہوں اس کو باغِ ابراہیم — کہ ایک آن میں آتش کا ہو گیا گلزار

صدائے نوبت شادیانہ اس قدر دلکش — کہ ہو دیں طوطی و بلبل ہزار جاں سے نثار

غریو کوس و کورنا جلاجل و کرنائے — کرے ہفت فلک سے بھی اس طرف کو گزار

میں کس زباں سے کروں اب بیانِ آرائش — خجل ہے باغِ ارم جھینپتی ہے جس سے بہار

ہزار رنگ کے گل اور ہزار گل کے نخل — جدھر نظر کرو اودھر چمن چمن گلزار

کہیں ہے تختہ نرگس کہیں کنول روشن — کہیں ہیں سرو و صنوبر کہیں درختِ انار

رواں جلو میں ہزاروں ہیں مشعل و مہتاب — فلک نجوم سے جس کا ہوا ہے آئینہ دار

ہجومِ نور سے پر مارنا فرشتوں کو — ہوا تھا روئے ہوا پر فلک تلک دشوار

بیان شان ہوا اب مجھ سے وضع ہندی کی
کہ جس قدر تھی تجمل سے اس کی واں رفتار

کہوں میں اس کو نہ زنہار تخت طاؤسی
کہ ایک جھاڑ تھا الماس کا مرصع کار

دریچے کھول کے قصر فلک کے حور و ملک
زمیں کو جھانک رہے تھے کہ ہے عجب بہار

عطا و بذل کیا وہ جہیز شاہانہ
کہ جس کا ہو نہ محاسب فہم کے بھی شمار

پر از نفائس ردئے زمیں تحائف دہر
ہزار فیل فلک ساں طلا کے سلسلہ دار

تمام ساز طلا کار و صندلیں پالاں
حریر و اطلس و دیبائے خوش قماش و یار

ہزار درج گہر برج کوکب رخشاں
پر از جواہر رنگیں و گوہر شہوار

فلک کے جیسے تاروں کا ہو سکے نہ حساب
ظروف سیمیں و زریں کے سینکڑوں انبار

براق چہرہ و فولاد نعل و برق شتاب
ہزار اسپ مرصع لجام و خوش رفتار

نمود ہودج زریں کی پشت فیل پہ یوں
فلک پہ جیسے ہو برج حمل بہ فصل بہار

خجل ہوں جس سے کہ خورشید کے خطوط شعاع
پڑی وہ ڈوری تھی ریشم کی اس پہ زریں کار

وہ کج کلاہ ہیں یکسر غلام غلمان چہر
نظیر جن کا نہیں تا بہ چین و روم و تتار

کنیزیں غرق جواہر میں جو سراپا ہیں
کوئی ہے حور لقا اور کوئی پری رخسار

یہ تھا وہ تخت عروسی کہ دیکھ کر جس کو
کافلہ کہے بلقیس لاکھ بار پکار

اور اس پہ سایہ فگن وہ جو شامیانہ رہے
نہ پہنچے چتر بھی جمشید کا اُسے زنہار

کرے ہی ختم اب ایمان اس قصیدہ کو
دُعائے خیر پہ اے قدردان نہل شعار

تو قائم اس کے رہے سر پہ نخل طوبیٰ سا
وہ تیرے سایہ عالی میں ہووے برخوردار

قصیدہ جشن سالگرہ اعظم الامرا بہادر گورنر جنرل بنام سلیمان جاہ

شکر خدا بہار ہے عہد شباب ہے ساقی پری نژاد ہے جام شراب ہے

جوش جوانی اس قدر اب ہی جہان میں باندھا شفق سے پیر فلک نے خضاب ہے

اس فصل میں غبار زمیں سے اگر اٹھے بارندگی کے بیچ مثال سحاب ہے

ہر شب گلاب پاش ہے شبنم یہاں تلک چاروں طرف جہان میں بوئے گلاب ہے

رقصاں ہے اس بہار سے طاؤس باغ میں فوارہ جس کو دیکھ کر آب آب ہے

بلبل کے چہچہے ہیں ادھر گل کے قہقہے شیریں نوائے مطرب و چنگ و رباب ہے

چھلکے ہے آج دختر رز اس بہار سے زاہد کا دیکھتے ہی جلے دل کباب ہے

زلف عروس کھائے ہے بل جس کو دیکھ کر سنبل کی شاخ کا بھی عجب پیچ و تاب ہے

پھولا نہیں ہے شام کو یہ جا بجا شفق جامے پہ آسماں کے بھی چھڑکا شہاب ہے

شمشاد اگر سوال کرے ہے نشاط کا قمری کو بھی جو دیکھو تو حاضر جواب ہے

نظارہ باز بسکہ ہیں اس حسن کے مدام آتا نہ اختروں کی بھی آنکھوں میں خواب ہے

یہاں تک ہے اب تو جوش سرور و نشاط کا سو پردہ میں سے نکہت گل بے حجاب ہے

اک آن میں نے پیر خرد سے کیا سوال یہ کیا خوشی جہاں میں بصد آب و تاب ہے

بولا مجھے کہ دیدۂ دل کھول کر تو دیکھ شاہد نشاط و عیش کا آج بے نقاب ہے

یعنی ہے آج سالگرہ اس جناب کی فیروز مسند جس کا لقب مستطاب ہے

نورِ بصر ہے شاہِ دکن کا اگرچہ وہ   پر شمع دودمان وزارت مآب ہے

بانی ہر ایک سال ہے اس جشن کا وہی   فضلِ خدا سے شاہ کا نائب مناب ہے

عالم کے بیچ شاہِ دکن کے حضور سے   مشہور اعظم الامرا کا خطاب ہے

تب میں کہا قلم سے کہ ہو جا دو سرنگوں   توصیف بادشاہ کی کرنا صواب ہے

شاہوں کے بیچ آج تو ہی انتخاب ہے   آدم کی نسل کا تو ہی لُبِ لباب ہے

کب مجھ سے ہو سکے ہی بیاں تیری ذات کا   روشن سپہرِ قدر پہ جوں آفتاب ہے

تو آج وہ ہے رستمِ دوراں کرم شعار   دریائے فیض کا ترے گردوں حباب ہے

گردن کشاں ہیں دہر کے تجھ در پہ سرنگوں   از بسکہ اپنے عصر میں عالی جناب ہے

پروردہ نمک نہ ترا بندہ ہے فقط   دولت سے تیری ایک جہاں کامیاب ہے

اے شاہ! تیرے پنجۂ بخشش سے دہر میں   ہر اک گدا کو دیکھو تو صاحب نصاب ہے

محکوم کیوں نہ ہوں ترے جن و بشر تمام   شرمندہ جس کے خلق سے بوئے گلاب ہے

تائید سے خدا کے ہر اک معرکے کے بیچ   ہے فتح ہم عنان ظفر ہم رکاب ہے

ہیبت سے جس کے لرزے زمیں آسماں تلک   شمشیر تیرے ہاتھ میں وہ برق تاب ہے

اسفند یار تن ہوا اگرچہ ترا عدو   مانند برگ بید اسے اضطراب ہے

تیرے کبود رنگ فلک سیر کے لئے   ہے کہکشاں لگام و مہِ نو رکاب ہے

ہیں اس کی سیر و طیر کا اب کیا کروں بیاں   دریا میں ہے نہنگ ہوا میں عقاب ہے

خیمہ کا تیرے ماہ کے خورشید ہے کلس   خطِ شعاع اس کو بجائے طناب ہے

وصف و ثنا کو تیرے کہاں تک کروں بیاں
عاقل کو ایک نقطہ مثالِ کتاب ہے

شاہا تو بسکہ حامیِ دینِ نبیؐ ہے اب
تیری مدد مدام شہِ بوتراب ہے

عمر شریف کو تری شاہا نصیب ہو
جتنا حیاتِ خضر کا طول حساب ہے

جو تیرے حق میں میں نے کیا یوں دعا بدل
اللہ کی جناب میں وہ مستجاب ہے

قصیدۂ تہنیت سالگرہ بہ اعظم الامرا بہادر گزرانیدہ

ہے بسکہ مہر کیانی کی آج سالگرہ
ہوا ہے بدر کی مانند اب ہلال گرہ

چمن کے بیچ جو دیکھو شگفتگی کے ساتھ
بہار غنچوں کی دیتی ہے لال لال گرہ

زبس ہے موسمِ عیش و طرب زمانہ میں
ثمر سے باندھے ہے گلشن میں ہر نہال گرہ

کہوں میں زلف کو دلی ہی یا جہاں آباد
کہ جس میں ہیں دلِ عشاق بال بال گرہ

اس آب و تاب سے ہے انعقادِ بزمِ نشاط
حباب کی طرح باندھے ہے اب زلال گرہ

رواج بسکہ ہے آرائشِ نشاط کا اب
بتوں کی چال کو دیکھے ہے خال خال گرہ

ارادہ بسکہ ہے بزمِ سرور کا سب کو
قبا کی باندھے ہے ہر صاحبِ جمال گرہ

ہر ایک میکدہ میں وقت بادہ ریزی کے
گلے میں شیشہ کے پھرتی ہے بہ مثال گرہ

دوارِ بذل و عطا سے ہر ایک رشتہ میں
بسانِ سلکِ گہر ہے بہ اتصال گرہ

یہ جشنِ سالگرہ نے رواج پایا ہے
کہ استوار ہے ہر جا سوائے مال گرہ

کرم سے اس کے جہاں میں یہ امر دا للہ ہو — رکھے نہ اب کسی خاطر پہ احتمال گرہ
کشادِ کار ہے عالم کا اس قدر منظور — کسی گدا کی زباں پر نہ ہو سوال گرہ
یہ فیض عام ہے جود و سخا کا چار طرف — کہ دیوے کیسہ پہ اب کوئی کیا مجال گرہ
برائے مصرعِ تاریخ تہنیت کے لئے — برنگ غنچہ مرے دل میں تھا خیال گرہ

دیا سروش دمیں پیر خضر نے ناگاہ
ہزار سال ہو یارب یہ جشن سال گرہ
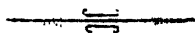
غزلیات

الٰہی شکر جاری ہے زباں پر دم بہ دم تیرا
کہ بخشا جان کوں ایماں، بے نہایت ہے کرم تیرا

کرے ہے بندگی کا پہلے ہی تجھ کو ادا سجدہ
بصد آداب، پھر اوصاف لکھتا ہے قلم تیرا

بہ تصدیق دل و جاں غیب پر ایمان لایا ہوں
تو ہی معبود ہے میرا میں بندہ بے درم تیرا

تاج کو کچکول اور کچکول کو کردیوے تاج
وہ مقلب ہے قلوب ہر گدا و شاہ کا

جس کی ادنیٰ ہے رسائی خلوت قوسین تک
میں تو ہوں قربان جی سے اس دل آگاہ کا

آئینہ ہے صورت اس معنیٰ کے ہر ذرّے کے بیچ
اس کا نور خاص روشن گر ہے مہر و ماہ کا

بھیجوں میں صلوٰۃ اس پر اور اُس کی آل پر
صدق ستی ایمان میں بندہ ہوں اس درگاہ کا

کون دل تفتہ چمن میں صبح گرم نالہ تھا
دانۂ شبنم لب غنچہ پہ جوں تب خالہ تھا

تھی سیہ تاب ایک تو تیغ نگاہ خوں ریز خلق
تس پہ خنجر سا کھنچا سرمے کا ہر دنبالہ تھا

روبرو بزم پری رو کے جو دیکھا رات کو
نقطۂ پرکار سا بے نور ماہ و ہالہ تھا

تجھ بن اے ساقی پیا ہم نے جو شب خون جگر
ہم پیالہ داغ دل اپنا بہ رنگ لالہ تھا

چلنے لگی باد صبا غنچہ ہر اک کھلنے لگا
تو مجھ سے اے گل گوں قبا کب تک ہے بیگانہ ہوا

جوں بوئے گل ہر دم یہاں کرتے ہیں ہم سیر جا بجا
یہ ناتوانی ہے کہاں گویا الوپ انجن ملا

پایا نہ وہ مزاج کبھو بر سر وفا — میں اپنی جان و دل کو جو کھونا تھا کھو چکا
گزری شب جوانی و پیری کی صبح ہوئی — غافل ٹک اب تو جاگ جو سونا تھا سو چکا

جب میں پوچھا غلام کب آئے — ہاتھ میں لے کے زلف بل کھایا
خونِ سر بہ گیا بجائے رود — کوہ کن کا یہی تھا سرمایا

کیوں نہ اک عالم ترا دیوانہ ہوئے اے پری — معجزہ، عشوہ، فسوں، غمزہ ہی اور جادو ادا
گاہ دل پامال کرنا گاہ جان بخشی کی چال — سب تجھے تئیں کرتے ہیں تیرے پاؤں کے گھنگرو ادا
کیوں نہ ہوں دیوانہ میں تیرے خرام ناز کا — یہ چلن یہ شوخیاں کرتا ہے کب آہو ادا

آتا ہے جی میں اک شب جوں نقش پا مرو — کوچے میں گل رخوں کے کوئی مکان لینا
جوں تیغ ہاتھ آوے گر جوہر شجاعت — قبضے میں پھر نہیں ہے مشکل جہان لینا

جب چمن کی سیر کو میرا وہ رشک مہ گیا — باغ میں ہر ایک گل منہ دیکھ اس کا رہ گیا
ایک دن شاید کہ آنکھوں سے نکل جاوے گا جی — دل تو سیل اشک میں اب خون ہو کر بہ گیا
ہاتھ سے کافر بتوں کے کیا کہوں ایمان اب — خانۂ دل جس کو کعبہ بولئے سو ڈھ گیا

چمن کی سمت یا دشت جنوں میں کھینچ کر لے جا
ترا اے عشق بندہ ہوں جدھر چاہے اُدھر لے جا

رسائی زیست میں ہرگز نہ تھی اپنی تو گلشن تک
قفس سے اب اُڑا کر اے صبا یہ مشت پر لے جا

نہال اللہ نے تجھ کو کیا ہیگا تو لازم ہے
بکھیر اس باغ سے کچھ نیک نامی کا ثمر لے جا

ہر چند مرے گھر وہ طناز نہیں آتا
پر اُس کی تمنا سے دل باز نہیں آتا

اس کنج قفس کی میں فریاد کروں کس سے
اک مرغ بھی یاں کر کر پرواز نہیں آتا

جاں کندن ہجراں میں کوئی کبھو بالیں پر
غمگین مری سُن کر آواز نہیں آتا

اتنی تو مقدم ہے خاطر تری اے ظالم
جو پاس مرے کوئی ہمراز نہیں آتا

ہر دم تری باتوں میں جو کچھ کہ ہے جاں بخشی
عیسیٰ کو بھی پیارے یہ اعجاز نہیں آتا

بے ساختہ حسن اس کا اب فتنۂ عالم ہے
ہر چند اُسے کرنا کچھ ناز نہیں آتا

کون رعنا نوجواں اس گلستاں میں رہ گیا
جس کے قامت کا نشاں سرو چماں میں رہ گیا

چشم نرگس ہی نہ جھپکی اس کی برق حسن سے
مرغ بھی ہر اک پھڑک کر آشیاں میں رہ گیا

کیا کہوں کیفیت شب تجھ سے میں اے ہمنشیں
شیشۂ دل چور ہو بزم بتاں میں رہ گیا

دل لگا مت بیٹھیو اس طاق نرگس سے کہیں
چار دن ہر کوئی قصر آسماں میں رہ گیا

زندۂ جاوید کہتے ہیں اُسے ایماں ہم
جس کا نام نیک آخر اس جہاں میں رہ گیا

ادھر تو ایک ہاتھ میں بسمل نے غش کیا　　ادھر ہوا کو دیکھ کے قاتل نے غش کیا
برق اٹھا جو رخ سے پری زاد کے رات کو　　اک اپنی کیا کہوں سبھی محفل نے غش کیا
کس کی شمیم زلف یہ لائی ہے اب نسیم　　ٹک سونگھتے ہی عاشق بیدل نے غش کیا
وادی ہے تجھ دیار کی اتنی سموم خیز　　پہلے قدم میں رہرو منزل نے غش کیا

کون کہے تجھ کو میری جان جا　　بیٹھ کہیں ٹک تو، کہاں ہاں جا
وہم فرشتے کا نہ پہنچے جہاں　　پہنچا ہے وہاں حضرت انسان جا
تو نے جو باندھی ہے سفر پر کمر　　ہے ترا اللہ نگہبان جا
شیخ کے رشتے میں ہیں سب شمع رو　　کوئی بھتیجا ہے کوئی بھانجا
پھر نہ ملی وہاں ہے کسو چیز کی　　لے کے فقطیاں سے تو ایمان جا

نہیں اور کچھ مجھے آرزو وہی مدام اپنی ہی جستجو　　کہ تمام شب تو کبھو کبھو تو رہے ہے گل سے ملا ہوا
ترے روٹھنے نے فنا کیا ترے ہم سے ملنے نے جی دیا　　میں اسی ہی تیغ میں ہوں سدا تو صنم کہاں کہ خدا ہوا
میں ہوں گرچہ بندۂ با صفا تو ہنوز ہے بسر جفا　　ترے ہاتھ جا کے اے بے وفا مرا دل بھی اب تو بھلا ہوا
نہ دریغ تجھ سے ہی سیمتن بخدا یہ جان و دین و دل و جگر　　تری یک نگاہ حجاب پر میں ہزار جی سے فدا ہوا

دیت اس قاتل بے رحم سے کیا لیجے گا　　اپنی ہی آنکھوں سے اب خون بہا لیجے گا

لخت دل خاک میں دیتا ہی کوئی بھی رہنے — گر پڑے اشک تو آنکھوں سے اُٹھا لیجئے گا
اس قدر سنگ دلی تم کو نہیں ہے لازم — کسی مظلوم کی گر آہ ہے تو دُعا لیجئے گا
پھر نہ پچھتاؤ کہیں بعد مرے جانے کے — گالیاں اور جو باقی ہوں سُنا لیجئے گا
کسی جلسے میں جو ایمانؔ کہو تو جانیں — گھر میں یوں بیٹھے ہوئے شعر بنا لیجئے گا

اس وقت میں بھلا ہی ملنا کہ بعد میرے — آیا مزار اوپر تو بار ہا تو پھر کیا!
خلقت میں اُسکے ہرگز بوئے وفا نہیں ہے — جور و ستم ہزاروں میں نے سہا تو پھر کیا!
حسن عمل سے جلدی نقش و نگار کر لے — اس قصر زندگی کا پایہ ڈھا تو پھر کیا!
اک قطرہ با اثر ہوں ایمانؔ مثل گوہر — مانند ابر رو رو دریا بہا تو پھر کیا!

کچھ سُرخ جو ہے رنگ مرے اشک رواں کا — شاید کوئی ٹوٹا دل مجروح کا ٹانکا
خسرو سے ادھر جنگ ادھر کوہ سے کاوش — دیکھا نہیں ہم نے کوئی فرہاد سا بانکا
دل سینے میں بیتاب جو ہے ذرہ کی مانند — منظر کے تئیں کھول کے اب کس نے یہ جھانکا
پہنچے جو ترے وصف کمر یا کہ دہن کو — نے وہم کا یارا ہے نہ مقدور گماں کا
دیکھے جو خرابات کا یک بار کرشمہ — پھر شیخ مریدان کے ہو پیر مغاں کا
اک طالب دیدار ہیں ایمانؔ قسم ہے — ہم کو تو کبھو فکر ہے یاں کا نہ وہاں کا

جب سے کہ مرے دل میں محبت ہوئی پیدا　　تا کام و زباں اور ہی لذت ہوئی پیدا
کس کے مجھے دیدار کی یارب ہے تمنا　　اب صورت آئینہ جو حیرت ہوئی پیدا
تھا مغبچہ اک آفت جاں گھر میں مغاں کے　　اب دختر رز اور قیامت ہوئی پیدا
حمام سے جس وقت کہ نکلا وہ پری رو　　کچھ اور ہی ایمان لطافت ہوئی پیدا

تجھے جس دن سے دیکھا ہی نہیں اس دن سے پھر گم ہے　　دم اپنا، ہوش اپنا اور دل اپنا جگر اپنا

فزوں ہر دم جو دیکھا حسن اس کی نوجوانی کا　　کہوں کیا یک قلم رنگ اڑ گیا چہرے سے مانی کا
مرے ہی زخم دل پر اس کو رہتی ہے نمک پاشی　　جہاں میں شور ہے جس شوخ کی شیریں زبانی کا
کروں کیوں کر نہ منا ترک میں اب سارے عالم سے　　مجھے رہتا ہے اندیشہ کسی کی بدگمانی کا
گزر مت شیوۂ احسان سے مقدور تک ہرگز　　ثمر ہیگا یہی پیارے نہال زندگانی کا
تڑپنا کس کو کہتے ہیں سسکتا بھی نہیں کوئی　　عجب انداز ہے شمشیر کے اس کی روانی کا
کرے ہے اک اشارہ میں دل عشاق دو ٹکڑے　　تری ابرو کو شایاں ہے لقب شمشیر خانی کا
مرا دل ڈوب ہی جاتا ہے جس دم یاد آتا ہے　　وہ لہرانا کنار جو پہ سرو بوستانی کا

سلاسل کا قیدی بھی یک بار چھوٹا　　نہ اس زلف کا پر گرفتار چھوٹا
ہوا روکش آفتاب زمانہ نہ　　جب آئینۂ دل سے زنگار چھوٹا

جنوں تیری دولت تو اب تک بھی ہم سے | نہ جنگل ہی چھوٹا نہ کہسار چھوٹا
تماشے کے قابل ہے نالہ ہمارا | انار اس طرح کب شرربار چھوٹا
ہوا اب جو پیوند عاشق زمیں کا | اذیت سے بارے یہ بیمار چھوٹا
کیا ہم نے سب اس کی مرضی موافق | پر اس کا بگڑنا نہ زنہار چھوٹا
جنوں کا زبردست آنا ہے پنجہ | گریباں کا جس سے نہ اک تار چھوٹا

گھر سے جانے کا مرے عزم نہ کر آخر شب | کہ مسافر کو ہے چلنے میں خطر آخر شب
کارواں کی وہ پہنچا ہے کہاں گرد کو چھوڑ | راہ رو سو رہا جو کوئی اگر آ آخر شب
جس نے دیکھا تری چوٹی میں پڑا رخ مہتاب | کہا آتی ہے شفق آج نظر آخر شب

چھپتے نہیں ہرچند کہ آثار محبت | پر اپنی زباں سے نہ ہو اظہار محبت
کب شمع کی ہو گرمی بازار محبت | پروانہ نہ ہووے جو خریدار محبت
سر پر میں چڑھاتا ہوں اسے گل کی طرح سے | چبھتا ہے مرے پاؤں میں گر خار محبت
جز خون جگر ساغر دل بھرتے نہ دیکھا | جو کوئی ہوا دہر میں میخوار محبت
اس جور و جفا پر بھی نکلتا ہوں جی سے | مجھ سا تو نہ ہووے گا گرفتار محبت

کس کس طرح سے چلتی ہے باد بہار مست | زاہد بھی دیکھ ہو گیا جوں بادہ خوار مست

پہنچے ہے مے پرست کو تجھ چشم کے کہیں — بلبل اگر ہو ساغرِ گل سے ہزار مست
ساقی اگر دے ایک مئے ارغواں کا جام — ایسی غزل پڑھوں کہ ابھی سب ہوں یار مست
دامن تلک ہو چاک گریبانِ گُل اگر — سنبل کی طرح جیب کریں تار تار مست
اب کی چمن میں آئی ہے وہ نو بہار مست — گل مست، غنچہ مست ہے اور خار خار مست

یہ بہارِ نوجوانی سمجھ اسے صنم غنیمت — جو خوشی کے ساتھ گزرے وہی جانِ دم غنیمت
نہیں بندگی پذیرا تو جواب صاف دیجئے — مرے حال پر تمہارا ہے یہی کرم غنیمت
رہے کچھ نہ کچھ علاقہ شب و روز دلبروں سے — جو نہ ہوئے مہربانی تو ہے پھر ستم غنیمت

حُسن اس حسینِ جبیں کا دیکھ مانی نے کہا — چشمۂ خورشید پر کھینچی ہے یہ تصویرِ موج

دیکھ کر سوزِ جگر میرا، نہ پگھلا دل ترا — شمع کو کب ہوئے پروانے کے جل جانے کی لاج

پشّے کو حکم ہو تو نکالے ترا دماغ — دعویٰ نہ کر خدائی کا نمرود کی طرح
در پردہ حُسنِ صوت ترا دل کو لے نگا — کرتے گداز نغمۂ داؤد کی طرح
ایماں میں نے احمدِ بے میم کے سوا — پائی کسو بشر میں نہ معبود کی طرح

بتوں کے عشق میں کیا ہاتھ آئیگا پتھر   خدا کے واسطے ایمان کر خدا کی یاد

کیا سرکشی ہے غنچہ و گل کو بہار میں   اے عندلیب آج ہے زردار کا گھمنڈ

جرات کہاں کہ عرض کروں آرزوئے دل   حیرت زدہ ہوں آئینہ سا روبروئے یار
شب بے خودی گئی تھی مجھے لے کے کوئے یار   میرا یہ سر تھا اور در و دیوار کوئے یار

ناتواں کو بھی رسائی ہے کہاں تک دیکھ   رشتے نے سر کو نکالا ہے گہرے باہر

تجھ سا کوئی وجیہہ نہیں آسمان پر   کیونکر کرے نہ ناز زمیں آسمان پر
نالہ ستم کشوں کا ستمگر وہ تیر ہے   لرزے ہے جس سے عرش بریں آسمان پر
ٹوٹا نہ یہ شہاب ہوا ایمان بے سبب   پہنچی ہے میری آہ کہیں آسمان پر

تنگ نائے عرصۂ دنیا میں ایسی چال ہو   جو نہ ہووے پاؤں کے نیچے کوئی مسار مور
جس پہ ہے ایمان روشن بزم صدق خلق میر   مثل پروانہ نظر آوے اسی کو نار نور

تندرستی بھی بڑی نعمت ہے   جان بہتر تو جہاں ہے بہتر

جب کہوں میں کہ کروں جی قرباں   ہنس کے کہتا ہے کہ ہاں ہی بہتر

فصلِ بہار میں بھی یہ حسنِ گل نہ دیکھا   ہے جس قدر کہ اس کے جوشِ شباب منہ پر

شیخ کعبے کے در و دیوار میں کیا خاک ہے   خانۂ دل سے ہے اپنے اتصال کوئے یار

کیا قدر لعل کی ہو بدخشاں کے ملک میں   گر چاہتا ہے رتبۂ شاہی وطن کو چھوڑ
ایمان اور کچھ نہیں مقدور اگر تجھے   عالم میں یادگار تو اپنے سخن کو چھوڑ

چاہے ہے ایماں کہ ہو دولت بیدار نصیب   رہیو غافل نہ کبھی وقتِ سحر سے ہرگز

ہر نوک پہ آتا ہے نظر اک دلِ پُر داغ   مژگاں ہیں تری یا ہیں خدنگ پر طاؤس

دیکھ کر مانی و بہزاد ہیں نقشِ دیوار   کھینچی اللہ نے ایسی تری تصویر کہ بس

یاد آتی ہیں عرق آلودہ زلفیں مجھ کو   جب اندھیری رات میں ہو آسماں اختر فروش

رقیب سے نہیں چھٹتا ہی یار کا اخلاص　　کہ ناگزیر ہوا گل کو خار کا اخلاص

زاہد بہک گیا ہے یہ جوش بہار میں　　مانگے ہے بادہ جبہ و دستار کے عوض
جاتا رہا ہے دل پہ تڑپتا ہی جی ہنوز　　دلال پھنس رہا ہے خریدار کے عوض

ظاہر کے عز و شان پہ نہ جا تو ہما کو دیکھ　　ہوتا ہے بادشاہی کا یک مشت پر سے فیض

پروانہ سا خموش ہے جانباز عشق یاں　　اے عندلیب نالہ و افغاں نہیں ہی شرط

بھڑا ہی جائے ہی قاتل کی تیغ ابرو سے　　بھلا کہو تو کوئی دل کو کیا رکھے محفوظ

شرق میں غنچان مہر اور غرب میں جام ہلال　　کس قدر ہے دیکھ بزم عالم مینا وسیع

انصاف ہے کہ غیر ہنسیں تیری بزم میں　　جوں شمع میری چشم رہے اشک بار حیف

مجھ سے کل گور غریباں میں کہا عقل نے یوں　　اور کچھ یاں نہ سوا حسرت و غم کے ہی تہ خاک

مجھ سے تو راز عشق کا افشا نہیں ہوا　　لیکن چلی ہی جائے ہے تاکید اب تلک
غمزہ، ادا، نگاہ، تبسم، خرام سے　　میں ایک اپنی جان بچاؤں کہاں تلک

ہر قدم پر جس کے اعجاز مسیحا ہے فدا　　اُس ادا، اس ناز، اس اُفتاد کے قربان ہم
عمر بھر ساقی نہ چھوڑیں میکدے کی بندگی　　ایک ہی پیمانے پر کرتے ہیں یہ پیمان ہم

عرصہ ہستی میں کچھ مختار ہوں بھی اور نہیں　　سایہ آسا صاحب رفتار ہوں بھی اور نہیں
وصل سے ہوں دور اب تک باوجود اتحاد　　ساغرِ مے کی طرح میخوار ہوں بھی اور نہیں
حوصلہ روشن ہے میرا تجھ پہ اے خورشید رو　　مثلِ شبنم لایق دیدار ہوں بھی اور نہیں

سوزش عشق کو اے بوالہوس آساں نہ سمجھ　　یہ وہ آتش ہے سمندر کے بھی پر جلتے ہیں
باوجودیکہ نہیں فرصت یک چشم زدن　　اتنی ہستی پہ بھی ہم مثلِ شرر جلتے ہیں
آشیانِ خس و خاشاک نہ باندھ اے بلبل　　آتشِ گل ہی سے اس باغ میں گھر جلتے ہیں
بس کہ ایمان کی ہے شعلہ بیانی روشن　　گرمیِ شعر سے سب اہل ہنر جلتے ہیں

گو کہ ہم لایق تعذیر و گنہگار تو ہیں　　تیری بخشش کے غرض پھر بھی سزاوار تو ہیں
گو کہ ایمان تجلی نہیں ہوتا ذرہ　　ہم بھی موسیٰ کی طرح طالب دیدار تو ہیں

چہچہے کر لے بہار آئی ہے اب اے عندلیب	یہ گلستاں پھر کہاں، یہ نغمہ خوانی پھر کہاں
آج کی گستاخیاں معذور رکھ اے مستِ ناز	یہ نوازش پھر کہاں، یہ مہربانی پھر کہاں

تم ہو اور گلشن ہو اور نرگس کی ستھری کیاریاں	ہاں مری آنکھوں میں پھرتی ہیں وہ آنکھیں پیاریاں

بے وفائی کا تری ذکر تو چھوڑا ظالم	بندگی اپنی بھی مشہور کروں یا نہ کروں
دیکھ بدمست تجھے غیر کے ہمراہ مدام	شیشۂ دل کے تئیں چور کروں یا نہ کروں
پاس آنے نہیں دیتا ہے اگر اے مہ رو	یہ بھی کہہ دے کہ انہیں دور کروں یا نہ کروں

چمن میں صبحدم گل گشت کو جب آپ آتے ہیں	گلوں کو دیکھ شرم آلودہ غنچے مسکراتے ہیں
بھڑکتا ہے جو مجھ کو دیکھتے ہی ان دنوں شاید	رقیب روسیہ کچھ کچھ تو جا کر اب لگاتے ہیں
شتابی ساقیا مے لا نہ کر دل کو مرے میلا	امنڈتے ابر گرجتے بے طرح سے دل اٹھاتے ہیں
طلوعِ صبح کا ناگاہ ہوتا ہے گماں ہم کو	نکل آئینہ خانے سے وہ جب صورت دکھاتے ہیں
عجب ہی اک ادا سے یہ بتانِ شوخ حسن اپنا	چھپاتے میں دکھاتے ہیں دکھاتے میں چھپاتے ہیں

اب جو وہ ہنس کے ملاتا ہے نگاہیں ادھر	کچھ تو پھونکی ہے مری آہ نے تاثیر میں جان

بحرِ ہستی میں نہ دیکھا گوہرِ راحتِ دل — ہم نے جس وقت بصد غور نظر کی تہ میں
چہرۂ نور فشاں یوں ہے ترا زیرِ نقاب — جیسے خورشید ہو دامانِ سحر کی تہ میں

شاید قریب پہنچے ہیں اب دن بہار کے — آئے نظر ہیں رات مجھے خوابِ جوشِ خوں
رویا ترے بغیر کوئی رات اس قدر — گزرا بنائے چرخ سے سیلابِ جوشِ خوں
نشتر لگائیو رگِ لیلےٰ میں سوچ کر — فصاد یاں ضرور ہے آدابِ جوشِ خوں

دامانِ یار جب سے گیا چھوٹ ہاتھ سے — باہم ہے ترے بخیۂ مژگاں دو آستیں

کہاں کا شعلۂ جوالہ؟ کس کا ماہ کا ہالہ — بوقتِ رقص جب ہو دامنِ جاناں نہ گردش میں

سینۂ مظلوم سے نکلے ہے آہِ سرد جب — کانپ جاتے ہیں وہیں عرشِ بریں و آسماں

ترا جب سے میں محوِ دیدار ہوں — نہ مائل بہ سرو و نہ گلزار ہوں
میں وہ غمزدہ ہوں کہ مانندِ شمع — طرب کی بھی مجلس میں پُر نار ہوں

اک دم ہی میں نکل گئی بسمل کی آرزو
جوں چاہیے بر آئی نہ قاتل کی آرزو

کشتی شکستہ حال ہے اور بحر موج زن
اے شرطؔ! آ پہنچ کہیں ساحل کی آرزو

پسند اپنی وہی ایمان ہوتی ہے غزل جس میں
صفا الفاظ کی ہو پاک فکر، دلچسپ مضموں ہو

یوں تو کچھ دیر نہیں اور سحر کرنے کو
شرط قسمت ہے دلِ دوست میں گھر کرنے کو

نالۂ نے سے جرس آہ تجھے کیا نسبت
درد درکار ہے ہر دل میں اثر کرنے کو

ہم سے عمل نیک بنے کب
جب تک ترا کچھ کرم نہ ہو

غنچہ لب یا کہ گل بدن ہے تو
رشک نسریں ہے یاسمن ہے تو

کیوں نہ طاؤس ہو تیرے قرباں
سر سے لے پاؤں تک چمن ہے تو

دل عاشق وہاں ہے پروانہ
جس جگہ شمع انجمن ہے تو

جی کسی کا نہ خوش کیا تو نے
دردمندوں کا دل شکن ہے تو

دیکھ لیں ہم نے شوخیاں تیری
یا ہرن یا کہ من ہرن ہے تو

اپنے کرم پہ رہتی ہے اللہ کی نظر — بندے سے گر ہوئی بھی خطا کیا مضائقہ

ہجوم ناتوانی باغ تک بھی کیا پہنچنے دے؟ — اگر صیاد میرے فصل گل میں بال و پر کھولے

جو کوئی صبح کو دیکھے تجھے جھروکے میں — عجب نہیں ہے کہ خورشید خاوری جانے
عزیز یہ کہتا ہے ایماں شعر رنگیں کو — کہ جیسے قدر جواہر کو جوہری جانے

عاشق سرباز کو ہر بزم میں مانند شمع — آہ گرم و چشم تر و چہرے پہ زردی چاہیے
سیر گلشن کی نہ دو تکلیف مجھ کو دوستو — گرد باد آسا مجھے صحرا نوردی چاہیے
ہے گزرنا سر سے ہی ایماں کوچے یار میں — یاں قدم دھرنے کو پہلے پا مردی چاہیے

نہ رکھ ایماں تو چشم ترحم دلرباؤں سے — یہ وہ ظالم نہیں ہیں جو کسی دل سے علاقہ لگینگے

کہتا ہے رات سن کے مرا نالہ و فغاں — اے ننگ خلق ہے تجھے کچھ کام اور بھی

ساقیا صبح سے پیغام صبا آتا ہے — موسم میکشی و ابر و ہوا آتا ہے
یہ مکافات کی ہے جائے نہ رہو غافل — اپنے ہی سامنے یہاں اپنا کیا آتا ہے

دل ربائی میں نہیں شکل ترا نام خدا اے صنم ڈھب پہ کسے تیرے سوا آتا ہے

وہاں تمہیں آرام ہے بالین مخمل پر نصیب یہاں دل بے تاب ہو اور دیدۂ بے خواب ہو

نہ کر عروج و نزول پر تو جہانیوں کے عبث تحیر کہ روز و شب کی طرح سے جاری سدا زمانے کی ہے دو رنگی

مرا ہی نقد دل لے کر مجھے آنکھیں دکھاتا ہے خدا سے کچھ تو ڈر ظالم یہ چوری اور سرہنگی

دولت دنیا سے دوں ازبسکہ ہے بے اعتبار سیکڑوں اس تخت پر ضحاک و جم بیٹھے اٹھے
ہم جہاں ارمان آویں اپنی وادی پر تو وہاں تا ابد شور قیامت یک قلم بیٹھے اٹھے

تری آہ و دامن لطف کی مرے دل کو جب سے ہوا لگی بجلی چمکی جانِ غریب کو یہ کہاں کی کالی بلا لگی
مرے سر سے لیکے قدم تلک لگی آگ غیرتِ عشق سے شب عید کو جو لئے گلبدن تجھے دست و پا میں حنا لگی
کیا دوستی میں تو پہلے دل ہوا اب تو دشمن جان ہے مجھے یک ذرا بھی خبر نہ تھی کہ ہے صلح میں بھی دغا لگی

جاتا ہے شوق باغ میں پرواز کا بار آتا ہے جب کہ یاد وہ کنج قفس مجھے
شاید کہیں تو وہ مہ کنعاں نظر پڑے پھرتی ہے شہر شہر لئے یہ ہوس مجھے

ہے کام ناو نوش سے شام و سحر تجھے — پہنچے کسو کے حال کی کیونکر خبر تجھے
سنتے ہی ایک خلق کے آنسو ٹپک پڑے — لیکن کیا نہ آہ نے اپنے اثر تجھے
یہ ایک دل تو کیا ہے کہ حاضر ہے جب کہے — منظور ہووے جان بھی ظالم اگر تجھے
بلبل کے قید کرنے سے فصل بہار میں — صیاد کیا ملے گا بجز مشت پر تجھے
دشمن کا دل بھی دیکھ کے مجھکو پگھل گیا — آیا نہ رحم حال پہ میرے مگر تجھے

تجھ حسن کی خوبی کو یہ چشم کہاں پاوے — ہے بسکہ وہ نازک تر نظارے سے مرجھاوے
تجھ عشق کی گزری میں یک دام کو ہے جھنگا — گر یوسف مصری بھی سو طرح سے بن آوے
اک ذرہ کبھو چمکے خورشید حقیقت کا — موسیٰ بھی اگر ہووے بے ہوش ہو گر جاوے

شیخ پندار ہی تیرا ہے تجھے مانع دید — ایک پردہ بھی نہیں اپنی نظر کے آگے

خلعت ہستی ہی جس کو تنگ ہے — بند میں جامے کے رہنا ننگ ہے
گل بدن گل پیرہن تس پر حنا — رنگ ہے کیا رنگ ہی کیا رنگ ہے

زندگی شکل خواب کی سی ہے — موج گویا سراب کی سی ہے
کون دل سوختہ ہے گرم طپش — بو یہاں کچھ کباب کی سی ہے

رگ جاں پر ہے کون ناخن زن — کچھ صدا یاں رباب کی سی ہے

اس کی غضب آلود نگہ کیا کہوں تجھ سے — ڈوبی ہوئی زہراب میں برچھی کی انی تھی
شیریں سے تو پرویز کو تھا عیش میسر — فرہاد کی قسمت میں فقط کوہ کنی تھی
کس بلبل بے تاب کا گلشن میں ہوا قتل — جو خاک بسر صبح نسیم چمنی تھی
اللہ نے آیان ستمگر سے بچایا — کل ورنہ مری جان ہی پہ آن بنی تھی

ڈھونڈتا کوئے بتاں میں ہے عبث — یاں گنوا کر دل کوئی پایا بھی ہے
تیرے گھر میں جز غم و رنج و بلا — اور کچھ اے عشق سرمایا بھی ہے

تجھ بن اے ساقی مجھے موج ہوا شمشیر ہے — شیشۂ دل پر مرے ہر قطرہ باراں تیر ہے
شمع کے سر کو اڑا کر دم بدم بخشے ہے جاں — ذوالفقار مرتضیٰ کا خاک پا گل گیر ہے
کمترین بندگاں ہوں اس جناب پاک کا — جان و دل آیان فدائے شبر و شبیر ہے

ناخدا کا آشنا ہرگز نہیں — اپنی کشتی کا نگہباں اور ہے
جو ہیں بسمل خنجر تسلیم کے — ان کو ہر دم عید قرباں اور ہے
حشر برپا جس کی ہو رفتار سے — وہ غرض سرو خراماں اور ہے

دیر سے مطلب نہ کعبہ سے غرض
عاشقوں کا دین ایماں اور ہے

کبھو حرم میں کبھو دیر میں مجھے پیارے
کہاں کہاں نہ لئے تیری چاہ پھرتی ہے
نسیم ہاتھ سے کس گلبدن کے ہے تاراج
کہ شہر شہر سدا داد خواہ پھرتی ہے
تو ہر زہ گردی مجنوں کا واں تماشا دیکھ
جہاں سے کوچۂ لیلیٰ کو راہ پھرتی ہے

ہر گزشت کو کن از بسکہ ہے پتھر کی لیک
بے ستوں میں دیکھ لو نقش و نگار دوستی
بادۂ الفت کی کیفیت نہ پوچھو کوئی کہ ہم
کھینچتے ہیں اب تلک بار خمار دوستی
اس قدر بھی جان کا دشمن نہ ہو لئے دل سکن
کچھ تو رہنے دے جہاں میں اعتبار دوستی

ناحق نگہ یار کو مجھ دل سے ہے کاوش
جس طرح کسو شخص سے مے خوار الجھ جاوے
گل گشت چمن کا تو نہ کر غنچہ دہن عزم
دامن سے مبادا کوئی واں خار الجھ جاوے
اوروں سے ہے ایمان اُسے صاف ملاقات
ہر بات میں مجھ سے ہی ستمگار الجھ جاوے

کفر نہیں ہے اے صنم ہم سے جو تو ملا کرے
بندوں پہ اپنے مہرباں تجھ کو کہیں خدا کرے
دل میں تو اپنے غور کر اے بت خود نما کبھو
جور و جفا کہاں تلک کوئی بھلا سہا کرے
تو نے جفا ہزار کی گرچہ ہماری جان پر
اپنی دعا تو ہے یہی تیرا خدا بھلا کرے

دل کو وہ چھین لے چلا منھ ہی میں دیکھتا رہا | جس کا نہ زور چل سکے چپ رہے تو کیا کرے
یہ بھی کوئی شعور ہے ٹک تو سمجھ خدا سے ڈر | تجھ سے جو کوئی وفا کرے اس پہ ہی تو جفا کرے

آتا اگر تیرا نہیں ہوتا ہے میرے گھر | دولت سرا میں اپنے کبھی دن بلا مجھے
وہ ہو رہے اور میں ہوں اور اک کنج عافیت | اس سے زیادہ چاہیے پھر اور کیا مجھے
کافر بتوں کی راہ نہ جا آ خدا کو مان | پیر خرد نے گرچہ کہا بار بار مجھے
پر کیا کروں کہ دل ہی نہیں اختیار میں | اس خانماں خراب نے تاراج کیا مجھے

وہ حسن عقل سوز خدا داد ہے تجھے | صورت کو تیری دیکھ کے بہزاد گر پڑے
گلشن میں دیکھ سرو کو اے خوش خرام ناز | تیرا خیال کر کے یہ ناشاد گر پڑے

حسن تیرا ہے شمع مجلس کی | آنکھ جھپکی ہے تجھ سے نرگس کی
روبرو ہو تیرے پری یا حور | آج طاقت ہے اے صنم کس کی
فتنۂ خفتہ جاگ اٹھتا ہے | لے ہے ایسی ادا سے تو کسکی
ایک ہی بے وفا ہے دختر رز | لیتے ہی عقل و ہوش سب کھسکی
یہ ہے ایمان تربیت کا فیض | دیکھ اکسیر بن گئی مس کی

تیرا مریض اس قدر اب تو زمیں کو لگ گیا — نقش حصیر کی طرح اُٹھنے لگے فراش سے
مشرب عاشقاں کہو کیونکر نہ ہووے جائے رشک — فکر نہ واں معاد کی اور نہ غرض معاش سے
جس نے کہ جیتے جی کبھو وصل سے خوش نہیں کیا — خاک کریگا وہ سلوک بعد ہماری لاش سے

منزل کو پہنچے وہ جو سحر قافلے چلے — ہم راہ میں رہے کہ بہت دن ڈھلے چلے
شور و فغان و گریہ و اندوہ و درد و غم — آخر ہمارے ساتھ یہ سب مشغلے چلے
ایمان اس جہاں سے بجز بار معصیت — افسوس صد ہزار کہ ہم کچھ نہ لے چلے

نہ پوچھا احوال میرا اے ستمگر — مبادا کچھ شکایت منہ پہ آوے
کہوں شیشے سے اپنا درد دل میں — تو چشم جام بھی اک دم بھر آوے

روتے روتے نہ فقط دیدۂ تر بیٹھ گئے — یہ جھڑی وہ ہے کہ جس سے کئی گھر بیٹھ گئے
ہم جب آئے ہیں تری بزم میں اے رشک چمن — نہ کیا غور کسو نے کہ کدھر بیٹھ گئے
استقامت نہیں جلوے کی ترے حسن کی اب — دور سے دیکھ تجھے ایک نظر بیٹھ گئے

بھیجا ہے خط کسی نے اتنا ہی کہیو قاصد — میرا نہ نام لیجو اس بے وفا کے آگے
کیوں کر گروں نہ اس کے قدموں پہ دیکھتے ہی — تنکے کو استقامت ہے کہربا کے آگے

مثنویات

فراق نامہ

سراپا کرم گستر و مہرباں — الٰہی سلامت رکھے جاوداں

تمنا یہاں تک ہے دیدار کی — کہ طاقت نہ تحریر و گفتار کی

اگر ایک شمّے کو کیجے رقم — تو پیدا کرے چشم نرگس قلم

مثال آئینے کے یہاں اب تلک — قسم ہے ملی نہیں پلک سے پلک

ہر اک صبح اٹھتے ہی اندوہ ناک — کروں ہوں گریبانِ طاقت کو چاک

چلے جب چمن میں ہوائے سحر — تو کہتا ہوں اس سے دم سرد بھر

صبا عرض کیجو تو بعد از سلام — کہ ایمان کا ہے یہی اب پیام

اگر باغ میں دیکھے شمشاد کو — کرے یاد اس سروِ آزاد کو

تصور میں تب اس کے قرباں ہو — گلے مل کے قمری سے نالاں ہو

کبھو جا پڑے ہے جو گل پر نظر — تو کہتا ہے بلبل سے ہو چشم تر

حکومت چمن کی خدا دے تجھے — مرا مہرباں وہ ملے گر مجھے

سدا آپ ہی آپ دل تنگ ہے — اسے غنچے کا دیکھنا ننگ ہے

چمن میں ہے وہ اس قدر اشکبار — کہ رہتے ہیں معمور سب جوئبار

سدا دن اسی طرح جاتے گزر — چھپے جبکہ خورشید نکلے قمر

کرے آہ تو مشتعل جوں چراغ — دکھلا دے ستاروں کو سینے کا داغ

نظر جب کرے ہو ستاروں پہ وہ
تو لوٹے سحر تک انگاروں پہ وہ

کرے کوئی اس سے تمہارا بیاں
نکل جاوے جوں ٹوٹے گل تن سے جاں

غرض طرفہ غم میں گرفتار ہے
کہ جینے سے بھی اپنے بیزار ہے

ہوس دیکھنے کی ہے واں اب تلک
تب آنکھوں میں جی رہ گیا ہے اٹک

شتابی خبر لیجے بہرِ خدا
نہیں تو کوئی دم میں ہوگا جدا

زیادہ کہاں تک لکھوں قدرداں
قلم پھٹ کے اب رہ گیا ہے بیاں

الٰہی تو یہ باغ آباد رکھ
دلِ دوستاں کو سدا شاد رکھ

رہیں دشمناں یاں کے اب روسیاہ
ہمیشہ پھریں وہ ذلیل و تباہ

مرا آپ سے جو کہ پوچھے پیام
بصد اشتیاق اس کو کہیے سلام

بے تاب نامہ

سروِ گلزارِ آشنائی
جانِ شیریں دلربائی

رہیو مجلس میں تیری جوں گل
لب ریزِ نشاط ساغرِ مل

تیرا ہے خیال بس کہ دن اور رات
خوش آتی نہیں کسی کی بھی بات

آنکھوں میں پھرے ہے تیری صورت
دل میں ہے بھری ہی سے محبت

ہر صبح یہ دھیان ہیگا
کس جا ہے وہ مہرباں ہیگا

حسرت ہی میں دن تباہ ہوئے
آنکھوں ہی میں جاں سیاہ ہوئے

جب زلف کشا عروس شب ہو — آفت ہو، عذاب ہو، غضب ہو

وحشت کی کہوں کہ بے قراری — آنکھوں کی کہوں کیا اشکباری

پلٹے ہے وہ کہ بے اثر ہو — ہر نالہ جگر پہ نیشتر ہو

بھاتا ہی نہیں پلنگ مجھ کو — کھائے جاتے ہیں جوں پلنگ مجھکو

ہے داغ سے دل کے گرم بستر — درکار نہیں ہے نرم بستر

جوں شمع تمام شب ہے رونا — جلنا ہے یہاں کدھر ہے سونا

گا ہے جو پلک جھپک گئی ہو — تجھ پہ ہی نظر اٹک گئی ہو

کیونکر نہ عزیز ہو وہ سپنا — جس میں کہ ملے حبیب اپنا

اس وقت نصیب کیوں نہ جاگے — دلدار گلے سے جب کہ لاگے

اس آن کے وصل پر ہے قرباں — اک جان تو کیا ہے بلکہ سو جاں

پھر آنکھ جو کھل گئی ہے ناگاہ — آیا نہ نظر وہ یار دل خواہ

تا صبح قرار پھر نہ آیا — وہ رشک بہار پھر نہ آیا

طوفاں کیا ہے چشم تر نے — دل غم سے لگا ہے آہ بھرنے

قسمت سے اگر نصیب جاگے — تب آنکھ اسی طرح سے لاگے

پھر ٹک نہ لگے پلک پلک سے — تر جیب ہو اشک کی ڈھلک سے

ہو جان پر اس قدر تباہی — جیسے کہ چراغ صبح گاہی

تن بہہ کے ہوا ہے مثل دریا — آنکھیں ہیں بھریں حباب آسا

دیدار کی بس کہ تشنہ لب ہیں — مہمان یہ کوئی دم کی اب ہیں

لازم ہے خبر شتاب لینا — مرنے کو چلا ثواب لینا

جاں بخشی اگر کرو تو بہتر — بے طرح فراق میں ہی مضطر

اک شمہ کہاں لگاؤ دل کا — ناسور ہوا ہے گھاؤ دل کا

ہم ہیں اور یاد مہربانی — کہیو قاصد یہی زبانی

سوئے ایمان ہم نگاہ ہے — پیہم اگر زیست گاہ گاہ ہے

مثنوی برق تاب

عجب برسات کی ہے فصل پائی — کہ جس کا فیض ہے عالم میں جاری

لکھوں کس رنگ سے تعریف اسکی — کہ کاغذ خود بخود ہوتا ہے ابری

اگر صفحہ پہ کھینچوں جدول سیم — رواں ہوتی ہے مثل جوئے تسنیم

ہر اک نقطہ سے قطرہ ہو تے پیدا — بنے ہر سطر اشک موج دریا

حروف عین و غین از قاف تا قاف — ہیں دال ابر و عین چشمہ صاف

کوئی اب شعر کہہ سکتا کہاں ہے — کہ ہر اک بحر دریائے رواں ہے

رقم ہووے اگر مضمون پہ دشوار — ڈبو دیوے سفینہ بحر اشعار

پہونچنا کیونکہ ہووے تا بہ منزل — سیاہی سے قلم ہے پائے در گل

مگر یہ خامہ مژگان پرنم — برنگ ناؤ داں جاری ہے ہر دم

نکھولی جو زرق برق اس کی بجا ہے — کہ بہتر موسم ابر و ہوا ہے

ہجوم ابر کا ہے اس قدر جوش — کہ ہے خورشید بھی عالم سے روپوش

یہ طوفاں آب کا از غرب تا شرق — ہے نوح کی بھی کشتی ہو گئی غرق

تماشا ہے بس کہ تا چرخ برپا ہے — نہنگ کہکشاں بھی تہ نشیں ہے

عروج آب کا اتنا ہے طوفاں — مچھلیاں بہتے برج حوت سرطاں

گذر قوس قزح سے بنے تا پل — فلک پر بھی بندھا ہے اندنوں پل

نہیں یہ برق اب چمکی ہے ناگاہ — دل مجنوں کی آتش پر ہے آہ

شرار تیشۂ فرہاد یا ہے — کہ جس نے بیستوں کو شق کیا ہے

اگر ابر سیاہ اور کوہ و ہامون — نہیں ہے دود آہ اشک مجنوں

فراہم چشمہ داغ جگر کر — سراسر قیس نے پھینکا ہوا پر

نہیں ہے گر شب تیرہ سیاہ پوش — ہوئی ہے دل مجنوں کا سیہ جوش

سیہ خیمہ ہے لیلائے عرب کا — سیاہ وادی عالم میں برپا

ہوئی قوس قزح از بسکہ زہ گیر — برستے ہیں عجب قطرات کے تیر

نہ سمجھے شور رعد و برق کی ہے — کہیں دونوں کی آپس میں چھڑی ہے

شفق ابر سیہ میں نہیں ہے غلطاں — ملا ہے خاک میں خون شہیداں

نہ گرم و سرخ کے اب تو ہو در پے — نشانی دست فندق بند کی ہے

جہاں کے بیچ آتش کی نشانی — اگر ڈھونڈو تو اب مشکل ہے پانی

تنور گرم سے طوفاں کا ہے جوش | ہوئی آتش برنگ نعل خاموش
ہے آتش سنگ میں بھی بسکہ نایاب | شرر کی جائے نکلے قطرۂ آب
سمندر کی یہ سنتے ہیں زبانی | "ہوا جاتا ہوں میں بھی پانی پانی"
یہ دشت و در میں بارش کا اثر ہے | کہ خارِ خشک بھی مژگان تر ہے
خطِ جادہ ہے ازبس رودِ پُرآب | ہوا ہے نقشِ پا مانندِ گرداب
زمیں اوپر ٹھہرتا سنگ ہے کب | شناور ہے بسانِ سنگ پشت آب
زمیں گیری محال ازبس ہوئی ہے | پڑے پھرتی ہے ترتے اب سارے
حباب اب جا بجا مت بوجھ تم تے | یہ مرغابی کے انڈے ہیں بہتے
تموج میں ہے ازبس آب گوہر | صدف مثلِ حباب اب ہے شناور
جہاں شمشیر میں جوہر عیاں ہے | برنگ سبزۂ آبِ رواں ہے
طراوت اتنی ہے طوفاں کی ڈپے | کہ نقشِ بوریا بھی موج زن ہے
تموج آب کا ہے تا بافلاک | پھرے خطِ شعاعی مثلِ خاشاک
ہوا کا بادیا ہے برق آہنگ | جلوریزی میں ابرش کے رکھے ڈگ خدنگ
زبس فیل سحاب اب قطرہ زن ہے | گجگ کی شکل ہر شاخ چمن ہے
لب جو پر ہیں نخل ازبس کہ نایاب | بجائے سرو ہیں فوارۂ آب
ہر اک غنچہ سمن کا شبنم تر | ٹپکتا موتیا سے آب گوہر
بجائے بید مجنوں ہر مکاں میں | ہوئی قوسِ قزح پیدا جہاں میں

ہوا اب شعلۂ آتش گل تر — بجائے دود پیدا سنبل تر
یہ ہے انگشت و اخگر کا حوالہ — مطرا ہے بہ رنگ داغ لالہ
ترشح میں ہے ازبس ابر تصویر — چمن نقاش کا ہے رشک کشمیر
عجب نیرنگ کی نشو و نما ہے — پر طاؤس داماں ہوا ہے
زمیں سے تا فلک مت سرسری دیکھ — بہار عالم نیلوفری دیکھ
یکایک برق جب کڑکے ہے بے باک — دھمک جاوے حصار رفعت افلاک
یہ ہے بادل گرجنے سے علامت — کہ آئے شور میں صور قیامت
نہیں جگنو چمکتے ہیں یہ سارے — پڑے افلاک سے ہیں ٹوٹ تارے
شب تاریک میں یوں شمع ہے گم — کہ جیسے دیدۂ آہو میں مردم
ہے سیل شمع سے بھی یہ خرابی — بنی فانوس کی صورت حبابی
یہ طوفاں اب ہے میخانے کے اندر — کہ منبع آبگینہ حوض ساغر
ہے زہد خشک کا اب تر اسباب — عصا فوارہ و تسبیح دولاب
نہ کیجو سر پہ اپنے تو عبث جبر — کہ بارانی ہے دریا بار جوں ابر
سمجھ اس ڈھنگ سے گر آشنا ہو — کہ جوں عکس آئینہ جائے شنا ہو
بیاں ہووے نہ کیفیت کماہی — ہے جوش آب از مہ تا بماہی
حباب آسا زمانہ کا ہے اسباب — زمیں تا آسماں اک عالم آب
ادھر لا کشتی مے جلد ساقی! — جہاں کے ڈوبنے میں کیا ہے باقی

مجھے جاتا ہے اُس خورشید رُو تک ‌ ‌ ‌ غرض سنگ جفا سے ندک کی خبر تک

نظر میری طرف تیری کماں ہے ‌ ‌ ‌ مری ہر اک پلک اب ناوداں ہے

نہ دی نالوں نے فرصت رات مجھ کو ‌ ‌ ‌ ستاتی ہے نپٹ برسات مجھ کو

اُدھر اک بار بجلی کا کڑکنا ‌ ‌ ‌ غضب ادھر مرے دل کا دھڑکنا

عذاب ہجر سے کیوں کر ہوں سر بر ‌ ‌ ‌ مجھے قوس قزح اژدر ہے سر پر

عجب طوفاں پہ ہے ابر مژگاں ‌ ‌ ‌ نگہ میری ہے برق خرمن جاں سا

نمونہ برج آبی چشم کا ہے ‌ ‌ ‌ کہ سیل اشک بھی اک ماجرا ہے

سُنے جو کوئی اس کو لوٹ جائے ‌ ‌ ‌ سرشک چشم سے دریا بہا دے

یہ رُت بدلی ہی جب سے جی گھٹا ہے ‌ ‌ ‌ کہ وہ خورشید رو مجھ سے جدا ہے

اندھاری رات ساون کی ڈراوے ‌ ‌ ‌ ادھر بجلی جدھر تیغیں دکھاوے

کبھو مارے ہے چشمک برق سے ابر ‌ ‌ ‌ کبھی غرّاں ہے رعد تند جوں ببر

عجب اک کشمکش کے دام میں جاں ‌ ‌ ‌ کہ اک دم بھی نہیں آرام میں جاں

اُدھر بادل طرف جنگل کے اینچے ‌ ‌ ‌ ادھر بجلی جب [illegible] کھینچے

سُنے پی پی پپیہا کی جب آواز ‌ ‌ ‌ کرے ہے مرغ جاں قالب سے پرواز

شتابی ہو کہیں اس وقت ساقی ‌ ‌ ‌ ترے اس تہ زہر فرقت سے بچاتا

پھروں ہوں چرخ ڈالا انڈولے میں ‌ ‌ ‌ کہ عقل اس جا وہیں اب باؤلی ہے

عجب آئی ہے فصل برشگالی ‌ ‌ ‌ نہیں ہے موج سے کوئی بھی خالی

رواں نہریں ہیں اور سبزہ ہے گہرا ——— چمن سے لے کے تا دامان صحرا
کسی جا ناچتے بن بن کے ہیں مور ——— کسی جا کو کلا کویل کا ہے شور
جدھر دیکھو ادھر اب کیا کہوں میں ——— ہنڈولوں پر پری رو جھولتے ہیں
نظر اس پینگ میں وہ حسن کب آئے ——— ہوا پر ایک بجلی سی چمک جائے
حنائی دست و بازو پر طلائی ——— شفق ہے جوں کرن کی روشنائی
قیامت ہے اگر حسن دلاویز ——— غضب آواز شیریں شور انگیز
کہیں ساون کی ہے آواز دلکش ——— فرشتے کو سننے سے جس کے ہو غش
کہیں ٹھمری کسی جا دادرا ہے ——— کہ ٹک سنتے ہی جس کے جی ہوا ہے
پری رو ہر مکاں میں ہو کے اب جمع ——— برنگ صحبت پروانہ و شمع
کریں باہم دگر اب گرم جوشی ——— مہیا اب ہے بزم بادہ نوشی
جہاں میں جا بجا ہے راگ اور رنگ ——— جسے دیکھو تو اب ہے عیش آہنگ
رکھے ہے ایک مجھ سے جنگ یاراں ——— کرے ہے دل یہ میرے سنگ باراں
رکھے کب تک مری کشتی تباہی ——— مجھے دے وصل کی دولت الٰہی
سدا میرے رہے وہ سیم بر ساتھ ——— بالفت لب بلب اور ہاتھ میں ہاتھ
شراب عیش کا جام و سبو بخش ——— ترا بندہ ہوں مجھ کو آبرو بخش
جہاں میں جب تلک ابر و ہوا ہے ——— یہی ایمان کی یارب دعا ہے
یہ سب جوش و خروش ابر باراں ——— مبارک ہو بہ جمع میگساراں
وہ میرا مہرباں اور میں ہر اک دم ——— رہیں ابر و ہوا کی طرح باہم

اور

دیگر اصناف

رباعیات

دنیا کے نہ مال و زر سے ہو تو مانوس — شمع کا نور یا بلوریں فانوس
قاروں کی طرح ہو لے گنج حسرت — کچھ اپنے نہ ساتھ لیگیا دقیانوس

کل پائیگا تو یوں ہی جہاں میں ظالم — کل پائے گا تو یوں ہی جہاں میں ظالم
بے چین کسی کو جب رکھا تو کیونکر — کل پائے گا تو یوں ہی جہاں میں ظالم

ہو عاشق صادق نہ خبر کا محتاج — بس دل کی تپش، نہ بال و پر کا محتاج
جس کو کہ نہیں ہے عشق کامل حاصل — فریاد و فغاں سے کہ ہے اثر کا محتاج

ہو عشق کے ہم سر نہ کبھو حرص و ہوس — پروانے کے منصب کو نہ پہنچے ہے مگس
معشوق کا در اصل تغافل ہے محک — ہو جس سے کہ دریافت ہر اک کس ناکس

ہے حسن کا اوروں کے بھی گر چہ چرچا — دل اپنا نہ تجھ سوا کسی سے پرچا
تیرے سودے میں یہ تو گزری ہم پر — کیا مال ہے دل کہ نقد جاں بھی خرچا

مجلس تو ہم سے بے حجابی معلوم　　خلوت میں بھی آہ باریابی معلوم
احوال ہمارا جو کبھو عرض کرے　　ایسا تو کوئی یار تو یابی معلوم

وعدہ جو کیا ہے سو شتابی بھیجو　　پر شرط ہے یہ کہ انتخابی بھیجو
دیکھے سے ہو نشہ و سرور جس کے　　اک ایسی شراب کی گلابی بھیجو

درکار ہے مجھ کو تجھ سے ملنا لیکن　　دشوار ہے مجھ کو تجھ سے ملنا لیکن
بے تاب ہے دل تو مجھ سے ہر چند　　یک بار ہے مجھ کو تجھ سے ملنا لیکن

سو بار اگر روٹھ گیا ہے مجھ سے　　پھر آپ سے ہی آن ملا ہے مجھ سے
ہیں ناز کے انداز ہزاروں اس میں　　کہتا ہے یہ کون وہ خفا ہے مجھ سے

اے ساقی بزم عیش و عشرت بنیاد　　ہے دور میں تیرے مست ہر اک شاد
اک شیشہ ادھر بھی بھیج دیجو گاہے　　خم خانہ ترا مدام رہیو آباد

اس ماہ جبیں کا بسکہ روشن ہے جمال　　ابرو کو ہوا دیکھ کے شرمندہ ہلال
گل پھول گیا ہے نسبت عارض سے　　تشبیہ سے قامت کے ہوا سرو نہال

ماتم میں شہید کربلا کے واللہ   پہنا ہے لباس آسماں نے بھی سیاہ
تشریف وہ لائے کلبۂ احزاں میں   رونا جیسے منظور ہوا ور نالہ و آہ

کچھ صبح کا اس غم سے گریباں نہیں چاک   اب شام بھی کھولے بال اڑاتی ہے خاک
شبنم کے برسنے سے یہ ہوتا ہے یقیں   ماتم میں حسین کے ہیں گریاں افلاک

ہر دم ہو شہنشاہ کو مولا کی مدد   اور زندگیٔ خضر و نشاطِ سرمد
یوں سالگرہ سے ہووے نت عمر فزوں   جوں صفر کے دینے سے ہو وہ چند عدد

تو ہے وہ امیر اعظم و بندہ نواز   کہیے جسے ابنائے زماں میں ممتاز
یوں سالگرہ سے عمر یارب ہو فزوں   جیسے کہ گرہ سے نیشکر ہو دراز

نے ہم وہ رہے ہیں اب نہ وہ یار رہا   بلبل ہی نہ وہ، نہ اب وہ گلزار رہا
گاہے ماہے جو کہیں مل جاتے ہیں   خالی باتوں سے تک سروکار رہا

غیروں کی سنو مزے سے ساری باتیں   اور تلخ لگیں تمہیں ہماری باتیں
اڑتے ہو یہ کس سے؟ باز آؤ صاحب   ہم خوب سمجھتے ہیں تمہاری باتیں

ہے تجھ کو جوانی کی ترقی اے یار ہے نو زمہ نو کی طرح لیل و نہار
از بس کہ ترا حسن ہے ہر آن فزوں تصویر مصور سے ہے کھنچنا دشوار

ٹک آنکھ لگی شب کو جو روتے روتے دیکھا سپنے میں تجھ کو سوتے سوتے
پھر آنکھ جو کھل گئی یکایک جوں شمع جان آئی لبوں پہ صبح ہوتے ہوتے

جس دم کہ ہوائے بزنگالی ہووے شیشے میں شراب پرتگالی ہووے
اللہ ہی اللہ ہے اس وقت اگر آغوش میں یار لاابالی ہووے

قطعہ

شمع محفل نے ایک رات کہا دیکھ پروانے کو بسوز و گداز
وہ جو ہے عندلیب عاشق گل آہ و نالہ سے ہی سدا دمساز
چپ ہی چپ تو جو دے ہی جان عزیز ہم پہ اب تک کھلا نہیں یہ راز
سن کے پروانے نے پڑھا یہ آن آہ یہ شعر سعدی شیراز

عاشقاں کشتگان معشوق اند
بر نیاید ز کشتگاں آواز

مُثلّث

اے صنمِ بلند اختر، سرو قدِ چمن پیکر — غنچہ لب دہن کوثر، زلف رخ سیہ عنبر
یہی نہیں تجھے بہتر میں رہوں سدا مضطر

کیا کہوں تری خوبی یا وہ قد بہ از طوبیٰ — دمبدم خوش اسلوبی وہ چھپن شرغولی
وہ ادا وہ محبوبی نقش ہے مرے دل پر

رُخ ترا برنگ گل اور بنفشہ ہے کاکُل — ہے چمن میں شور و غل لے رہے ہیں یوں بلبل
زلف ہے اگر سنبل چشم ہے گل عبہر

کیا کہوں تجھے جانی تو ہے یوسفِ ثانی — پر تری ستم رانی ہے فقط یہ نادانی
میں ترا ہوں قربانی کیجیو اسے باور

وہ خفا ترا ہونا عیش کا مزا کھونا — یا کہوں عبث رونا آنسوؤں سے منہ دھونا
پھر گلے لپٹ سونا بے طرح ہے اے دلبر

صاف وہ ترا سینہ حسن کا ہے گنجینہ — یا حلب کا آئینہ عاشقوں سے یہ کینہ
الفتیں وہ دیرینہ یاد کر ستم گستر

گھر ترا پری خانہ میں ہوا ہوں دیوانہ — تو پھرے ہے مستانہ ہاتھ میں ہے پیمانہ
ساقیا خدا مانہ تو مجھے پلا ساغر

سرو قد بدن گل گوں دیکھ کر تجھے موزوں — بید کبھی ہوا مجنوں جو کہ ہے ترا مفتوں

غنچہ ساں جگر پر خوں کیوں نہ ہو بعد بسر

جو سخن کے ہوں شایاں، بہتر زر و در مرجاں   خرزہ یہ نہیں آساں تحج ہے کہ ابر نیساں

شعر کو ترے ایماں نقطہ ہے ہر اک گوہر

مخمس نمبر ۱

نہ دل کھلتا ہے گلشن میں کبھو پھولوں کی ڈالی سے   نہ جی لگتا ہے جس کی چمن میں خوش مقالی سے

خرابہ جان و دل کا ہجر کی ہے پامالی سے   تصور میں ترے کہیو صبا اُس لاابالی سے

گلے لگ لگ میں رویا رات تصویر نہالی سے

مرا پیغام کوئی اتنا کہیں دلخواہ سے میرے   جنوں کا سلسلہ برہم ہے سال و ماہ سے میرے

فلک پر دود ہے آہ نالۂ جاں کاہ سے میرے   مکدر کیوں نہ دل تیرا ہوا شک آہ سے میرے

لگی ہے ایک لو ہم کو ہوائے برشگالی سے

میاں میں راست کہتا ہوں گنہ کیجئے معاف اتنا   نہیں ہے اک سر مو بھی سخن میں خلاف اتنا

بصد باریک بینی میں کیا مضمون صاف اتنا   نہ ہوں ان جانے یوں کی کمر کا موشگاف اتنا

دلا میں تنگ آیا ہوں تری نازک خیالی سے

چمن کی آبرو تیرا ہے یہ رخسارۂ گلگوں   جہاں کے ہوش پر مارا ہے آنکھوں نے تری شبخوں

لبوں میں ہے چھپا گویا مسیحا کا دم موزوں   تری تیغ نگہ کا اے فرنگی زادہ کشتہ ہوں

مجھے کہہ غسل دیں ظالم شراب پرتگالی سے

نہ پاشے رنگ و بوئے گل جہاں میں خار و خس ناصح　　نہ پہونچے منصب پروانہ کو ہرگز مگس ناصح
حباب بحر کو دیکھا ہے تو نے ہی تو بس ناصح　　دل بے عشق کے دشمن ہے تحریک نفس ناصح
کرے ہے کام پتھر کا ہوا مینائے خالی سے

کیا ایمان سے اقرار ہر مضمون پہ اُن نے　　جھکایا اپنا سر قوس قزح کے قد بالے نے
خجالت کا عرق لایا ہے منہ پر صبح دریا نے　　کہی تعریف میں جو بیت تجھ ابرو کی سودا نے
خراج و باج لیتے ہیں وہ دیوان ہلالی سے

مخمس نمبر ۲

اے صنم حسن ترا ایسا کہ ہے خورشید پناہ　　کلف آلودہ ترے روبرو ہے چہرۂ ماہ
چشم و ابرو کی کہوں کیا کہ ہر اک ہے دلخواہ　　جس نے دیکھا تری صورت کہا سبحان اللہ
قدرت حق سے نمایاں نہ ہوا تھا سو ہوا

گلشن رخ تو ترا سبزہ ہوا اب تو زور　　دل عشاق کا ہے خال سیاہ کافر چور
حسن کا تیرے پرستاں ہیں پڑا اب تو شور　　خط کی خوبی ترے عارض پہ یہ کہتی ہے کہ مور
رونق ملک سلیماں نہ ہوا تھا سو ہوا

حسن تیرا ہے زبس فتنہ شروع سن سے　　ظاہر آشوب ہی ہوتے ہیں ترے باطن سے
یہی سنتا ہوں جہاں بیچ پری وجن سے　　قابل شانہ ہوئی زلف تری جس دن سے
کبھی جو دل کہ پریشاں نہ ہوا تھا سو ہوا

گو کہ تشریف نہ لایا تو مرے مسکن تک — نفس سرد نہ گذرا تھا کبھو شیون تک
چھینٹ پہونچی نہ کسی اور کے پیراہن تک — خون دل چشم سے بہتا تھا مرے دامن تک

موجزن تا بہ گریبان نہ ہوا تھا سو ہوا

جلوہ گر حسن ترا جب سے ہے محفل کے بیچ — ہو گیا ہے نظر دیدۂ کامل کے بیچ
مردمک سا ہے بھرا تو ہر اک تل کے بیچ — داغ تجھ عشق کا جیسے ہے مرے دل کے بیچ

ہر ذرے میں درخشاں نہ ہوا تھا سو ہوا

مخمس نمبر ۳

تری نگاہ کرم مجھ پہ شمع رو معلوم — بر آوے تجھ سے مرے دل کی آرزو معلوم
گلے لگوں ترے پروانہ طور سو معلوم — اب اس طرف تری دل گرمی شعلہ خو معلوم

تپاک غیر سے جو ہوں گے ہم سے جو معلوم

روا نہیں ہے تجھے مجھ سے اس قدر اب بیر — کیا نہ یاد مجھے تو نے ایک روز بخیر
کرے ہے اوروں ہی کے ساتھ تو چمن کی سیر — بھری ہے دل میں ترے یاں تلک محبت غیر

کہ جا نہیں مرے کینے کو مہر تو معلوم

خدا نخواستہ کوئی تری نظر سے گرے — ترا مزاج پھر اس کی طرف کبھو نہ پھرے
سند سمجھتے ہیں عشاق اس سخن کو مرے — نہ زر نہ زور نہ طالع نہ رحم دل میں ترے

جو چاہے تجھ سے یہ دل کامیاب ہو معلوم

کیا نہ ذرہ میرے دل کو ایک دن بھی شاد   دیا وفا نے قدیانہ کو مرے برباد
پھر اس پہ دیکھ تو یہ جور تازہ ہے ایجاد   گلہ میں غیر کے میری وفا کرے ہی یاد
سو غائبانہ کبھو اس کے روبرو معلوم

ترا نظیر جہاں میں کوئی نہیں مہ رو   جمال زہرہ جبیں مشتری ہلال ابرو
رکھے ہے فرق زمیں آسمان مجھ سے تو   عبث ہے پھر کی نت اٹھ تلاش در در کو
ہے وصل دور ترا میری جستجو معلوم

اگرچہ شعر کے کہنے میں چپ نہیں رہتے   کہو جو بات کچھ ایمان کی نہیں سہتے
پھریں ہیں شرم کے پانی میں غرق بہتے   سخن تو یار بھی سودا برا نہیں کہتے
ولے جو چاہیے انداز گفتگو معلوم

مخمس نمبر ۴

تا چند مری جان دل آزار رہو گے   ہر بات پہ کھینچے ہوئے تلوار رہو گے
خونخوار و جفاکار و ستمگار رہو گے   عاشق کے کبھی روز بھی غمخوار رہو گے
یا یوں ہی سدا برسر انکار رہو گے

یہ گرم نگہ تم سے جل جاؤں گا پیارے   کیا آنکھ دکھانے سے نہ گھبراؤں گا پیارے
جیتا ہوں کوئی روز تو بتلاؤں گا پیارے   پر سامنے ہرگز نہ کبھو آؤں گا پیارے
گر یوں ہی مری شکل سے بیزار رہو گے

خورشید جب آنکھوں میں تمہاری ہوا ذرہ　　کیا چیز ہیں پھر سامنے پروین و مجرہ
اس حسن و جوانی پہ یہ اللہ رے غرہ　　کیوں کر نہ رکھو گے سر عشاق پہ تو وہ
جب شانہ کش طرۂ طرار رہو گے

کوچہ میں تڑپتے ہیں کئی آہ دل افگار　　اور کھینچے ہیں نالہ جانکاہ ہر اک بار
ان کے بھی کبھو ہو گے خدا کے لیے غم خوار　　یا آئینہ و شانے ہی سے رکھو گے سروکار
یا کاکل ہی کے پیچوں میں گرفتار رہو گے

پروا نہیں ہم کو بھی جو کرتے نہیں تم بات　　اور یوں ہی اگر ہم سے ہی انکار ملاقات
لیکن پس دیوار رہو اور ہم ہیں ہر اک رات　　آجے گی اس ہاتھ کسو دن تو کوئی گھات
تا چند بھلا دیکھیں خبردار رہو گے

ہر چند کہ جوں سرو ہو دراصل سرافراز　　اور جوہر ذاتی ہے تمہیں بہر ناز
پر فتنۂ دوراں کا نرالا ہے کچھ انداز　　خوبوں میں زمانے کے تو ہو جاؤ گے ممتاز
دو چار برس ہم سے اگر یار رہو گے

ہر چند چمن میں تو ہیں خورشید سے تا در　　پر اس کی نظر میں تمہیں ہو زیب وہ صدر
ڈر ہے کہ ہے اسے رشک سے صیاد کے سو غدر　　بلبل کی گلو ہو گی اسی روز تمہیں قدر
جب باغ سے آکر سر بازار رہو گے

اے فرقۂ عشاق کہو ہوش کدھر ہے　　اس آہ میں کیا فائدہ جس میں نہ اثر ہے
ہر اشک کے ہمراہ رواں لخت جگر ہے　　کچھ حال پہ اپنے بھی کبھو تم کو نظر ہے

آنکھوں سے بھلا کب تئیں خونبار رہوگے

یہ وہ ہیں جفاکار و دل آزار و ستمگر
شمشیر سے بیداد کی کاٹے ہیں کئی سر
گمراہ ہیں اتنے کہ خدا کا بھی نہیں ڈر
تم یار و جلاتے تو ہو دل اپنا بتوں پر
لاچار ہو پھر آپ ہی من مار رہوگے

وہ چشم کہ ہے فرقۂ عشاق کی آفت
مشاطہ نے جس میں نہ دیا کحل مروت
اور اُس کے تصور سے نہیں ٹک تمہیں فرصت
اے حضرت دل کاہے کو پھر چاہوگے صحت
اس نرگس فتّاں کے جو بیمار رہوگے

اے ساکن فردوس عبث تم کو ہی پندار
ایسے تو ہزاروں یہاں لُچپ ہیں گلزار
اس بات کا واللہ کہ شاہد نہیں در کار
دیکھوگے تم ایک بار اگر کوچہ دلدار
حیران ہی جوں صورت دیوار رہوگے

وہ احسن تقویم سزاوار تبارک
دیوانہ بنے دیکھ ملک جس کو یکایک
یہ بات تو ہی صاف نہیں اس میں ہے کچھ شک
پروا ہے کہاں حسن کو ایمان کی جب تک
آئینہ صفت طالب دیدار رہوگے

لب نہ ہمارے کبھو تر کر گیا

سنیو یہ اک نقل عجیب و غریب — جھوٹ نہیں تجھ سے کہوں اے حبیب
برسر امداد تھے اس کے نصیب — رات ملا تھا مجھے تنہا رقیب
یار خدا کا ہے، میں ڈر کر گیا

جیتے ہی جی کے تھے یہ سب اقربا — بعد کسی کا نہیں کوئی آشنا
اپنی کہیں بیکسی ہم آہ کیا — خاک ہماری پہ بجز نقش پا
کوئی نہ آ خاک بسر کر گیا

خصلت بلبل ہے کہاں زاغ میں — رونق گلزار نہیں راغ میں
خوبیٔ لالہ تو نہیں داغ میں — ایک جو مانند گل اس باغ میں
خرم و خنداں ہو گذر کر گیا

بسکہ ہے مقسوم ہر اک کا جدا — کوئی ہے خوش کوئی ہے غمگیں سدا
ایک جب اس باغ سے یوں گیا — آن کے شبنم کی طرح دوسرا
شام سے رو رو کے سحر کر گیا

اپنی تو یاں آن غرض راہ لے — چھیڑ کسی کو نہ ستا، جانے دے
کوئی مرے یا کوئی اب جی رہے — اب تجھے کیا فائدہ اس ذکر سے
ہر کوئی اک طرح بسر کر گیا

باغ جہاں میں گل بن تدبیر ہو سکا　　تار عمل میں گوہر حکمت پرو سکا

نیزہ مخالفوں کے جگر میں چبھو سکا　　یونان سی زمیں کو اسمو ڈبو سکا

لیکن غبار مور کے دل سے نہ دھو سکا

باندھا تھا سر سے پہلے ہی اُس مرد نے کفن　　کیا کیا کئے نہ وار رقیبوں نے اہل فن

اپنی بساط تک تو دیا نقد جان و تن　　سودا خمار عشق میں شیریں سے کوہکن

بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

مشکل ہزار عشق کے ہیں آزار و نیاز　　تو ایک کا بھی ہو نہ سکا آہ [illegible]

جو کوئی دیوے جان تو ہوتا ہے سرفراز　　کس منہ سے پھر تو آپ کہتا ہے عشق باز

اے رو سیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

مخمس نمبر ۷

ہم تو واقف ہی نہ تھے عشق کی بیماری سے　　اور نہ اس تیرہ شب ہجر کی بیداری سے

کچھ سروکار نہیں تھا کسی دشواری سے　　شکوہ اغیار سے نے یار کی بیزاری سے

جو ہوا ہم پہ سو اس دل کی گرفتاری سے

ٹک بھی مژگاں نہ جھپک چشم اگر بینا ہے   کہ نظر سے بھی سبک سیر یہاں جینا ہے
ساغرِ گل سے مے رنگ اگر پینا ہے   ہر قدم کوئے بتاں کارگہ مینا ہے
دیکھ ہر پیچ کے سنبھالے ہوئے ہشیاری سے

مشتری دل سے ہیں کیونکر نہ ہوں آن پہ جبیں   پایۂ قدر ترا پہنچا ہے تا عرش بریں
نور سے چہرے کے روشن ہیں ترے ہر نگیں   شہرہ تجھ حسن کا گر عالم علوی میں نہیں
مہر و مہ جھانکتے ہیں کیوں پردۂ زنگاری سے

موسے ہر چند نزاکت میں کمر ہے بہتر   اور رہا گوش سے کب آب گہر ہے بہتر
حسن جانسوز سے ہر ترک نظر ہے بہتر   دل یہ کہتا ہے کہ از لب تو عذر ہے بہتر
گھر ایک عالم کا جلا ہے اسی چنگاری سے

تجھ سے یہ عرض ہے ایمان کی آخر دشمن   ہیگا رندی کے سزاوار جوانی کا سن
بس زیادہ نہ خرابات کا اب ہو ساکن   واہ قائم تو تری آنکھ بھیجی اک دن
ابر روتا ہے سدا خوف سیہ کاری سے

مسدس

جس کا ہے نام ماہ جبیں جگ میں آشکار   شیریں سے بہتر اس کی کنیزیں ہیں گلعذار
باد بہاری وہ کرے ہے جدھر گذار   اس کی سواری دیکھ کے خلقت کرے پکار

محمل نشین کتنے ہیں خدام یار میں
لیلےٰ کا ایک ناقہ وہاں کس قطار میں

جب لعل لب اس کی ہو گوہر فشانیاں مثل صدف ہو گوش سراپا بیانیاں
طوطی کہے سنے ہے جو یہ خوش بیانیاں جس میں کہ جانفزائی کی ہوئے نشانیاں

اعجاز منہ تکے ہے ترے لب کے کام کا
کیا ذکر واں مسیح علیہ السلام کا

گلگشت کو جو آئے چمن میں وہ رشک ماہ نرگس سے تا بہ شبنم اسی کی طرف نگاہ
جب اٹھ کے لے ہے باغ سے دولت سرا کی راہ بلبل یہ بیکلی سے پکاری کہ واہ واہ

غنچے سے مسکرا کے اسے زار کر چلی
نرگس کو آنکھ مار کے بیمار کر چلی

نوشیں دہن ہے اس کا بہ از چشمۂ حیات ہر ایک بات کیوں نہ ہو شیریں بہ از نبات
مانی کہے ہے دیکھ کے بہزاد سے یہ بات نقشہ یہ کیسے کھنچ سکے غیر از خدا کی ذات

نازک ادا کے ساتھ وہ دلبر شکیل ہے
تصویر چیں بھی روبرو اس کے ذلیل ہے

مسند نشین بزم ہو جس دم وہ شمع رو مست شراب عیش ہے ساغر سے تا سبو
آہنگ انتساب ہے چنگ و رباب کو زہرا ترانہ ساز ہو یہ اس کے روبرو

تجھ سا کوئی وجیہہ نہیں آسمان پہ

کیوں کر کرے نہ ناز زمین آسمان پر

تزئیں پہ جب کرے ہے توجہ وہ دلربا — منظور دیکھ سرمہ کو غازہ ہو جہ سا
شانہ بصد زبان ہے وصّاف زلف کا — ہو یک زباں ہر ایک سے کہتی ہی یہ حنا

عشرت سے دو جہاں کی یہ دل ہاتھ دھو سکے
اُس کے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہ ہو سکے

مشاطہ دیکھ آئینہ رخ کرے خیال — ہے عکس مردمک یہ نہیں ہے سیاہ خال
بل بل ہی جائے زلفوں کا مکھڑے پہ بال بال — اسپند دل سے وار کے بولے ہر ایک زال

سینے کو رستموں کے نگاہ اس کی توڑ دے
آنکھوں کی ہر پلک صف محشر کو توڑ دے

بیدار جب کہ خواب سے ہوتی ہی صبح گاہ — پہلے کرے ہی آئینہ پہ اُس میں سے نگاہ
پھر صحن باغ بیچ خراماں ہو رشک ماہ — چلنے میں گلبدن کریں آنکھوں کو فرش راہ

رکھے ہے کس ادا سے وہ عالی دماغ پا
رنگ حنا سے بسکہ ہوا رشک باغ پا

ابرو کماں دل ترے قرباں کیوں نہ جائے — تیر نگاہ جب کہ تو یوں بیدھڑک چلائے
ہو شے حرم کا بھی جو کبوتر نہ باز آئے — پرواز کیوں نہ طائر عرشی بھی کرنے پائے

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑے زمانے میں
تڑپے ہی مرغ قبلہ نما آشیانے میں

شہرہ سے ترے حسن کے روشن ہو سب جہاں　　　لے کر زمیں کی سطح سے تا ہفتم آسماں
پہنچیں ترے جمال کو حور و پری کہاں!　　　ہے گا ہر ایک ذرہ کی چشمک سے یہ عیاں

منہ دیکھو آئینہ کا تری تاب لا سکے
خورشید پہلے آنکھ تو تجھ سے ملا سکے

مستانہ تری چشم کا ہر اک ایاغ ہے　　　تیرا ہی نت نسیم سحر کو سراغ ہے
بلبل کو بوئے گل کا رہا اب دماغ ہے　　　کس کس کا ذکر کیجئے اک خلق داغ ہے

سنبل تمہارے گیسوؤں کے غم میں لٹ گیا
ابرو کی تیغ دیکھ مہ نو وہ کٹ گیا

میں جب سے اس کے حسن کا دیوانہ ہو گیا　　　ویرانہ دل کا رشک پری خانہ ہو گیا
از بس شراب شوق سے مستانہ ہو گیا　　　عالم کے بیچ قصہ و افسانہ ہو گیا

چرچا جو میرے عشق کا جنگل میں جا پڑا
زانو پہ ہاتھ مار کے مجنوں اچھل پڑا

شکر خدا کہ اب تو مرے حال پر مدام　　　مبذول دل سے مہر ہے اس ماہ کے تمام
صحبت میں زلف و رخ کی گذرتی ہے صبح و شام　　　ہم بزم و ہم پیالہ و ہم راز و ہم کلام

تب اس بہشت رو سے یہ خلط بہم کیا
برسوں ہی ہم نے سورۂ یوسف کو دم کیا

ہرگز نہ ہوئے عشق سے ہمسر کبھو ہوس　　　فریاد عندلیب کہاں اور کہاں جرس

بے درد کے لئے ہے یہی شعر درد بس　　پہنچے نہ سوز کو دلِ پروانہ کے مگس

اندازہ وہ ہی سمجھے مرے دل کی آہ کا
زخمی کوئی ہوا ہو کسو کی نگاہ کا

یعنی سرشک سرخ رخ زرد خوب ہے　　ایمان آدمی کو کچھ اک درد خوب ہے

پیدا کرے جو سوز وہی مرد خوب ہے　　لب پر برنگ صبح دم سرد خوب ہے

ہووے نہ ملک عشق سے کم رسم داغ دل
روشن رہے ہمیشہ الٰہی چراغ دل

تمام شد

ملنے کا پتہ

سید عبدالقادر پبلشر چارمینار۔ مکتبۂ ابراہیمیہ حیدرآباد۔ کتابستان الٰہ آباد۔ مکتبۂ جامعہ ملیہ دہلی

مطبوعہ زندہ طلسمات فائن آرٹ لیتھو الکٹرک پریس کاچی گوڑہ